جون ۲۰۰۴ء

ماہنامہ

# میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

# قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورسز

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

# نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

## خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں:

### ۱) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹس کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

### ۲) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I,II,III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

### ۳) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیات قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع فرمائیں

## ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

# ماہنامہ میثاق لاہور


| | |
|---|---|
| جلد: | 53 |
| شمارہ: | 6 |
| ربیع الثانی | 1425ھ |
| جون | 2004ء |
| فی شمارہ | -/15 |


مدیر مسئول
**ڈاکٹر اسرار احمد**


مجلس ادارت
حافظ عاکف سعید
سید قاسم محمود
حافظ خالد محمود خضر


سالانہ زرِ تعاون

- اندرون ملک 150 روپے
- ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ 800 روپے
- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ 1000 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور


**مکتبہ خدام القرآن لاہور**

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700' فون 03-5869501
فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: **www.tanzeem.org**

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور
فون: 636638-6316638 فیکس: 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

# مشمولات


✿ **عرض احوال** — 3

حافظ عاکف سعید

✿ **ظروف و احوال** — 6

ملکی و ملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ رائے

✿ **مطالعہ قرآن حکیم** — 9

اسوۂ رسول ﷺ: سورۃ الاحزاب کی آیات کی روشنی میں (۲)

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **تذکر و تدبر** — 37

عروج و زوالِ اُمت: قرآن مجید کی روشنی میں

سید حسنین عباس گردیزی

✿ **ہماری دعوت** — 50

عوامی سطح پر دعوتی و تبلیغی نصاب کیا ہونا چاہئے؟

محمد رشید عمر

✿ **منہاج المسلم** (۴۷) — 55

چند بری عادتیں

علامہ ابوبکر جابر الجزائری

✿ **عالم اسلام** — 72

انڈونیشیا: تحریک آزادی، حصولِ آزادی، آزادی کے بعد

سید قاسم محمود

✿ **گوشہ خواتین** — 85

شادی کی منتظر لاکھوں لڑکیاں...... ایک جلتا سلگتا مسئلہ

میاں ظفیر احمد


❁ ❁ ❁

# عرضِ احوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## غلط فہمیاں

۲۱ویں صدی کے بالکل آغاز ہی میں نائن الیون کے بعد سے عالمی منظر نامہ کی رُت جس ادا سے بدلی ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ کہنا ہرگز مشکل نہیں ہے کہ وہ ''معرکہ روح و بدن'' اور ''کشمکشِ حق و باطل'' جو ازل سے جاری ہے' اب اپنے آخری اور انتہائی مرحلے میں داخل ہو گئی ہے۔ کرہ ارض پر ابلیس کے وائسرائے کا کردار ادا کرنے والی شیطانی قوت ـــــ یعنی یہود ـــــ کا جادو امریکہ کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی طاقت امریکہ کو جو اس اعتبار سے کمزور ترین بھی ہے کہ وہ دنیا کی سب سے زیادہ مقروض حکومت ہے' یہودی ساہوکار تگنی کا ناچ نچا رہے ہیں۔ امریکی صدر ایک آسیب زدہ شخص کی طرح نتائج سے بے پروا ہو کر مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کا طبل بجا کر یہود کے ناپاک ایجنڈے کی تکمیل کی خاطر عدل و انصاف اور اخلاق کے تمام مسلّمہ اصولوں کی دھجیاں بکھیرنے کے ساتھ ساتھ امریکہ کی ساکھ کو بھی داؤ پر لگا چکا ہے۔ افغانستان اور عراق کے بعد اس بدمست سفید ہاتھی کا اگلا ہدف پاکستان ہے۔ پاکستان کے مقتدر طبقات سے اسے کوئی دشمنی نہیں کہ وہ اس کے ابلیسی ایجنڈے کی تکمیل میں دامے درمے سخنے اس کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ اقتدار کی غلام گردشوں پر جن طبقات کا آج تک تسلط رہا ہے' وہ جاگیردار ہوں یا صنعت کار' سیاست دان ہوں یا فوجی آمر' سول بیوروکریٹس ہوں یا ملٹری بیوروکریٹس' ان سب کی اکثریت کا اسلام کے ساتھ تعلق بالکل واجبی سا ہے' ان کے قلب و ذہن پر بالعموم سیکولر نظریات اور ملحدانہ افکار کا تسلط ہے' چنانچہ یہ سب امریکہ کے ساتھ ذہنی سازگاری رکھتے اور اسلام کے خلاف عالمی جنگ میں اس کے ساتھ تعاون کو مصلحت وقت خیال کرتے ہیں۔ اس طبقے کے سرخیل اور نفس ناطقہ' صدر پرویز مشرف ہیں' جو اس امر سے تو بخوبی واقف ہیں کہ امریکہ کا اصل ٹارگٹ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ہے جو ابلیسی قوتوں کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے لیکن انہیں اس حقیقت کا ادراک نہیں ہے کہ اسلام کے خلاف یہودی ایجنڈے

میں جہاں پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو ناکارہ بنانا یا ان پر تسلط حاصل کرنا سرفہرست ہے' وہاں پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو منہدم کرنا' ستر وحجاب اور شرم وحیا کے اصولوں پر مبنی اسلام کے معاشرتی نظام کی دھجیاں بکھیر کر بے حیا اور آبرو باختہ معاشرہ تشکیل دینا' سودی معیشت کے فروغ کے ذریعے پاکستان کو معاشی اعتبار سے مفلوک الحال اور کشکول بدست اور پاکستانی عوام کو سودخوری اور جوئے کی لت میں مبتلا کرنا' نصاب تعلیم سے جہاد وقتال اور یہود ونصاریٰ کی اسلام دشمنی کو بے نقاب کرنے والی آیات کو کھرچ کر نکالنا اور اسلام کا ایک ایسا ماڈریٹ ایڈیشن پاکستان میں رائج کرنا جو عالمی اسلام دشمن طاقتوں کو گوارا ہو' مسلمانوں کے جذبہ ایمان اور غلبہ واقامت دین کے لئے جدوجہد کے عزم کی شدید حوصلہ شکنی کرتے ہوئے انہیں غیرت وحمیت دینی سے بے گانہ کرنا' مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو ہوا دے کر ان کی قوت کو کمزور اور انہیں دنیا کے سامنے جاہل اور گنوار کے روپ میں پیش کرنا یہ سب ان کے مستقل ایجنڈے کا حصہ ہیں۔ وہ ان تمام محاذوں پر بیک وقت سرگرم عمل ہیں' تاکہ مسلمانوں کو روح دین سے محروم کر کے انہیں اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف فکر وعمل کے اعتبار سے غیر مؤثر اور بےضرر اور سیاسی ومعاشی اعتبار سے بے بس ولاچار بنا دیا جائے۔ (ثبوت درکار ہو تو امریکہ کے چوٹی کے تھنک ٹینک رینڈ فاؤنڈیشن کی وہ مفصل چشم کشا رپورٹ پڑھ لیجئے جو آج کل NET پر دستیاب ہے' جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے مقتدر طبقات ہی نہیں' نام نہاد دانشوروں اور مذہبی سکالرز کا ایک بڑا طبقہ بھی انہی کے ایجنڈے کی تکمیل میں دانستہ یا نادانستہ طور پر مصروف کار ہے۔)

صدر مشرف اور ان کی سی سوچ رکھنے والے طبقات کے نزدیک پاکستان کے دفاع اور تحفظ کے حوالے سے واحد شے ہمارا ایٹمی پروگرام ہے جس پر ہمیں ہر صورت استقامت کے ساتھ ڈٹے رہنا ہے' باقی تمام چیزیں جن کا تعلق ہمارے نظریہ حیات' ہمارے دین اور نظریہ پاکستان کے ساتھ ہے' ثانوی بلکہ ثالثی حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ ایٹمی پروگرام کو بچانے کی خاطر وہ روح دین سمیت دیگر تمام چیزوں کی قربانی دینا غالباً موجب اجر وثواب سمجھتے ہیں۔ اسلام دشمن طاقتوں کو اپنے ناپاک ایجنڈے کی تکمیل کے لئے ایسی ہی سوچ رکھنے والے مسلمان لیڈروں کی ضرورت ہے۔ مذکورہ ایجنڈے کی تکمیل میں اس سے قبل وہ بے نظیر اور نواز شریف سے بھی ایک حد تک تعاون لے چکے ہیں۔ تاہم اب نائن الیون کے بعد ابلیسی طاقتیں بہت عجلت میں ہیں۔ ہمارے صدر پرویز مشرف پر بے پناہ دباؤ ہے۔ وہ بڑی ''ہمت

واستقامت'' کے ساتھ اسلام کو مٹانے کی امریکی مہم میں اس کے اتحادی کا کردار ادا کر رہے ہیں اور اس پر ابلیسی طاقتوں سے داد بھی وصول کر رہے ہیں—— وہ بڑے پرعزم انداز میں اپنے ایک مخصوص ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا میں ہمارے متعلق چار غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ i) دہشت گردی پاکستان کے قبائلی علاقے سے ہو رہی ہے۔ ii) کشمیر میں جو دراندازی ہو رہی ہے اس میں پاکستان ملوث ہے۔ iii) ہم ایٹمی پھیلاؤ میں ملوث ہیں۔ iv) پاکستان ایک انتہا پسند ملک ہے۔

ان ''غلط فہمیوں'' کو دور کرنے کے لئے ہمارے صدر عالی مقام آخری انتہا تک جانے کو تیار ہیں۔ گمان غالب ہے کہ نصاب تعلیم میں شر انگیز تبدیلیاں اور اب حدود آرڈیننس اور ناموسِ رسالت ایکٹ میں ترمیم و تبدیلی کا شوشہ کھڑا کرنا بھی اسی ایجنڈے کا حصہ ہے کہ پاکستان کے بارے میں اس غلط فہمی کو دور کیا جائے کہ یہ ایک انتہا پسند ملک ہے۔ صدر مشرف کا خیال ہے کہ وہ اگر مذکورہ بالا چار غلط فہمیاں دور کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پاکستان کا مستقبل روشن ہو جائے گا۔ ہم صدر مشرف سے بصد ادب یہ عرض کریں گے کہ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ اس رُخ پر وہ جو بھی قدم اٹھائیں گے وہ یقیناً ہمارے مغربی آقاؤں یعنی ابلیسی قوتوں کو خوش کرنے کا موجب بنے گا لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے کہ وہ اس طرح پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو منہدم کر کے اور اسلام دشمن طاقتوں کے دیگر ایجنڈے کو مکمل کر کے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی حفاظت کا سامان کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ صدر مشرف جو کچھ کر رہے ہیں وہ تو امریکی ایجنڈے کا حصہ ہے ہی' امریکہ کے سر پر مسلط آسیب اس سے کم پر ہرگز راضی نہ ہوگا کہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو ناکارہ بنا دیا جائے یا ان پر کنٹرول حاصل کر لیا جائے۔ وہ اپنے اس ہدف کو حاصل کئے بغیر پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں ہاں اپنے ہمہ جہت ناپاک ایجنڈے کے مختلف پہلوؤں کی تکمیل میں آپ سے ممکنہ حد تک کام لینے کے بعد اندیشہ ہے کہ وہ آپ کو اسی طرح نشانِ عبرت بنا دیں گے جیسا کہ اس سے قبل شہنشاہ ایران اور پھر صدر ضیاء الحق کو بنایا گیا تھا۔

حذر اے چیرہ دستاں' سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!

# ظروف واحوال

## ملکی وملی مسائل پر امیر تنظیم اسلامی کا اظہارِ رائے

### مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطاباتِ جمعہ کے آئینہ میں

### (۱)

### ابلیسی طاقتیں ہم سے ناموسِ رسالتؐ ایکٹ ختم کرانا چاہتی ہیں!

۲۱رمئی کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

موجودہ عالمی تہذیب دراصل دجالی فتنہ اور ابلیسی تہذیب ہے جو اللہ سے بغاوت پر مبنی ہے۔ اس دجالی تہذیب سے سازگاری اختیار کرنا ابلیس کے ٹولے میں شامل ہونے کے مترادف ہے۔ اللہ کا ہم سے تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کی زمین پر اس کے قانون کو قائم و غالب کریں۔ اللہ ہمیں حیا‘ منصفانہ معاشی نظام اختیار کرنے اور اس دنیا کی زندگی کے مقابلے میں آخرت کو مقصود بنانے کا درس دیتا ہے‘ جبکہ شیطان بے حیائی‘ سود اور جوئے کے ذریعے انسان کو معاشی حیوان بنانا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ چاہتا ہے کہ ہم آخرت کو بھول کر اس دنیا کی رنگینیوں میں گم ہو کر رہ جائیں۔ جو اقوام یا اشخاص ابلیس کے ان مقاصد کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہیں وہ دراصل ابلیس کے ایجنٹ ہیں۔ ابلیسی طاقتیں چاہتی ہیں کہ ہم اپنے ملک کے قانون سے ناموس رسالتؐ ایکٹ کو ختم کر دیں‘ حالانکہ ایک مسلم معاشرہ نبی اکرم ﷺ کی عزت و ناموس کی بنیاد ہی پر قائم ہوتا ہے‘ لہٰذا ہمارے حکمران ابلیسی قوتوں کے بہکاوے میں آ کر کوئی غلط قدم اٹھانے سے پہلے سوچ لیں کہ اس کے نتائج انتہائی ہولناک ہوں گے۔

یہ کہنا کہ ہم القاعدہ کے مجاہدین کو ختم کر کے دم لیں گے دراصل ابلیس اور اس کی ذریت کے ایجنڈے پر عمل درآمد کے مترادف ہے۔ جبکہ دنیا کے اس معرکہ خیر و شر میں آخرت کے اعتبار سے کامیاب وہی ہے جو شیطان کی مخالفت کرے اور اللہ کے وفاداروں اور اس کے ماننے والوں میں شامل ہو۔ لہٰذا ہمیں فیصلہ کرنا چاہئے کہ ہمیں کس کا ساتھ دینا ہے۔ لیکن جس طرح ماضی میں ہم نے طالبان حکومت کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیا، اگر آئندہ بھی یہی روش جاری رکھی تو ہماری دنیا بھی برباد ہوگی اور آخرت میں بھی ناکامی و خسران سے دوچار ہونا پڑے گا۔

## (۲)

## موجودہ دجالی تہذیب شرک سے عبارت ہے

### ۱۴رمئی کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

موجودہ دجالی تہذیب شرک کی تمام گھناؤنی صورتوں سے عبارت ہے۔ اس دجالی دور میں سائنس کی بے پناہ ترقی کے باعث انسان کو ہر چیز اسباب وعلل کے پردے سے ہوتی ہوئی نظر آتی ہے جبکہ ان افعال کو انجام دینے والی حقیقی ذاتِ باری تعالیٰ انسان کی نظروں سے اوجھل ہوگئی ہے۔ چنانچہ اسباب وعلل ہی کو فاعل حقیقی سمجھنا اور مادے کی صفات پر توکل وبھروسہ کے باعث اس تہذیب میں شرک فی العبادت اور شرک فی الصفات تو نمایاں ہیں جبکہ شرک کی سب سے گھناؤنی قسم شرک فی الذات اس تہذیب کی رگوں میں رچی بسی ہے۔ سائنسی ترقی میں فی نفسہ کوئی شر نہیں' لیکن ابنیت مسیح کے عقیدے کے نتیجے میں عالم عیسائیت نے جس طرح لوگوں پر ظلم کئے اور انہیں علم کی روشنی سے دور رکھا تو اس کے ردعمل کے طور پر یورپ میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس کی جڑوں میں مذہب سے نفرت اور بیزاری سرایت کرگئی ہے اور یوں جو تہذیب وجود میں آئی وہ خدا سے دور ہوتی گئی اور آج پوری دنیا اس سیلاب میں بہے جارہی ہے۔

اس کائنات اور انسان کے خالق ومالک نے دنیا کی رنگارنگی دراصل انسان کے امتحان کے لئے رکھی ہے جس کی چکاچوند میں موجودہ سائنسی ترقی نے سوگنا اضافہ کردیا ہے۔ بہرحال اس دنیا کے امتحان میں وہی کامیاب ہوگا جو آخرت کو مدنظر رکھ کر زندگی گزارے گا۔ لیکن اگر کسی نے دنیا کی زندگی ہی کو حقیقت سمجھ لیا تو آخرت میں اسے پچھتانا پڑے گا لیکن پھر اس افسوس اور حسرت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

## (۳)

## انسان کی دُنیوی اور اخروی فلاح کا راستہ

### ۷مئی کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

اللہ کی بجائے مادی اسباب ووسائل پر بھروسہ اس دور کا سب سے بڑا شرک ہے۔ آج لوگ بت بنا کر نہیں پوجتے' بلکہ وہ ان اسباب وعلل میں الجھ کر مسبب الاسباب سے دور ہوجاتے ہیں۔ اگرچہ اس دنیا میں سلسلہ اسباب وعلل انسان کے اسی امتحان کے لئے ہے کہ وہ ان پر بھروسہ کرتا ہے

یا فاعل حقیقی پر ایمان لاتا ہے۔ موجودہ دور میں بے خدا سائنس نے اسباب وعلل پر بے پناہ کنٹرول حاصل کرلیا ہے جس کے باعث مادے کی چکاچوند نے انسان کی نظریں خیرہ کردی ہیں۔ چنانچہ آج ہماری نگاہیں اسی دنیا اور اس کی چیزوں میں الجھ کر رہ جاتی ہیں۔ اپنی اسی خاصیت کی وجہ سے یہ دجالی دور بن گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ آج دنیا کے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور آخرت ان کی نظروں سے اوجھل ہوگئی ہے۔ گویا اس بے خدا سائنسی ترقی کے باعث آج کے انسان کی آزمائش میں کئی گنا اضافہ ہوگیا ہے۔ انسان کی دنیوی واخروی فلاح کا راستہ یہ ہے کہ اللہ کو کل اختیار کا مالک مانا جائے اور صرف اسی پر بھروسہ کیا جائے۔ بصورت دیگر وہ غیر اللہ سے وابستہ ہوکر اپنی اعلیٰ انسانی اخلاقی صفات سے محروم ہوجائے گا۔

(۴)

## ''ہمارا توکل وبھروسہ امریکہ کے بجائے اللہ کی ذات پر ہونا چاہئے''

## ۳۰؍اپریل کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

اس دور میں انسان کا اصل امتحان یہ ہے کہ وہ اللہ پر توکل وبھروسہ کرتا ہے یا مادی وسائل و اسباب ہی کا اسیر ہوکر رہ جاتا ہے۔ مادی اسباب وذرائع پر بھروسہ ہی دراصل اس دور کا دجالی فتنہ ہے۔ جو لوگ اس امتحان میں کامیاب ہوگئے وہی آخرت میں اللہ کے حضور سرخرو ہوں گے۔ آخرت میں انسان کی کامیابی کا دارومدار اس چندروزہ زندگی پر ہے، جس میں اس نے یہ دکھانا ہے کہ وہ اللہ کا وفادار ہے یا شیطان کا وفادار ہے۔ اگر انسان دنیوی چمک دمک اور جھوٹی طاقت سے مرعوب ہوکر شیطان کا راستہ اختیار کرے گا تو آخرت میں بھیانک انجام سے دوچار ہوگا۔ دنیا میں بھی اللہ نے اپنی مدد ونصرت کا وعدہ اپنے وفاداروں سے کر رکھا ہے۔ لیکن افسوس ہمارا اور ہمارے حکمرانوں کا طرزِ عمل اس کے برعکس ہے۔ آج ہمارا توکل وبھروسہ امریکہ پر ہے کہ وہ ہمیں دنیوی مشکلات سے بچالے گا، حالانکہ یہ کھلا شرک ہے۔ خود آنحضور ﷺ کو اللہ کا یہ حکم تھا کہ کسی اعتبار سے قریش کے دباؤ میں نہ آئیں۔ لہٰذا موجودہ حالات میں ہمیں امریکی دباؤ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کی بجائے اللہ کی ذات پر توکل وبھروسہ کرتے ہوئے صرف اس راستے کو اختیار کرنا چاہئے جو قرآن و سنت نے ہمیں بتایا ہے، جس کا نتیجہ نصرتِ خداوندی کی صورت میں نکلے گا اور ہم دنیا میں بھی فتح و کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

☆☆☆

# اُسوۂ رسول ﷺ

## سورۃ الاحزاب کے تیسرے رکوع کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

(۲)

### جواں مرد اہل ایمان کا ایفائے عہد

اگلی آیت میں فرمایا:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾

''اہل ایمان میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ پس ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی (اپنی باری آنے کا) منتظر ہے۔ اور انہوں نے (اپنے رویئے اور طرزِ عمل میں) کوئی تبدیلی نہیں کی''۔

کاش اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شامل فرما دے!

یہ آیت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ پر غزوۂ احزاب کے پس منظر میں غور و تدبر کیا جائے ــــ اللہ تعالیٰ ان اہل ایمان کی مدح و ستائش فرما رہا ہے کہ ان میں ایسے بھی جواں مرد اور باہمت لوگ ہیں جو اپنے عہد کو پورا کر چکے۔ یہاں رِجَالٌ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو رَجُلٌ کی جمع ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خواتین

اس سے خارج ہوگئیں۔ قرآن حکیم میں اہل ایمان کو بالعموم مذکر کے صیغے میں خطاب کیا گیا ہے۔ ایسا بغرضِ تغلیب ہوتا ہے اور اس میں آپ سے آپ خواتین بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہاں لفظ ''رِجَــــال'' اپنی اس معنویت کے لئے آیا ہے کہ اس دنیا میں شیطانی وساوس سے بچ کر دین پر کاربند رہنا کوئی آسان کام نہیں ہے' بلکہ بڑی ہمت اور جواں مردی کا کام ہے۔ یہی مضمون سورۃ النور کے پانچویں رکوع میں بایں الفاظ آیا ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ (آیت ۳۷)

''ان میں ایسے باہمت وجواں مرد بھی ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے اور اقامت نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر دیتی۔ وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور دیدے پتھرا جانے کی نوبت آ جائے گی''۔

اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ یہ کیفیات عورتوں میں نہیں ہوسکتیں۔ خواتین میں صحابیات ہیں' اُمہات المؤمنین ہیں' رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین۔ پھر بڑی بڑی متقی' صالح' صابر' عابد وزاہد اور مجاہد خواتین اُمت میں پیدا ہوئی ہیں۔ ان میں ایک اللہ والی خاتون حضرت خنساء (رضی اللہ عنہا) بھی ہیں' جن کے چار جوان بیٹے حضرت عمر فاروق ؓ کے دورِ خلافت میں ایران کی جنگ قادسیہ میں شہید ہو گئے اور انہوں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ ایک خاتون وہ بھی ہیں کہ جب غزوۂ اُحد میں عارضی ہزیمت ہوئی اور نبی اکرم ﷺ کی شہادت کی افواہ مدینہ تک پہنچی تو وہ بے تابانہ میدانِ اُحد میں آتی ہیں۔ ان کو خبر دی جاتی ہے کہ تمہارے والد شہید ہو گئے' مگر وہ پوچھتی ہیں کہ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا شوہر بھی شہید ہو گیا۔ وہ کہتی ہیں کہ کوئی بات نہیں' مجھے یہ بتاؤ کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ ان کو بتایا جاتا ہے کہ تمہارا بیٹا بھی شہید ہو گیا۔ وہ اللہ کی بندی کہتی ہیں کہ مجھے حضور ﷺ کے بارے میں بتاؤ۔ اور جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ بخیریت ہیں تو وہ کہتی ہیں:

الحمدللہ! اس خوشخبری کے آگے سب کچھ ہیچ ہے ـــــ باپ' شوہر اور بیٹا تو مرتبۂ شہادت پر فائز ہو کر کامران و کامیاب ہو گئے۔ الغرض ہماری تاریخ میں ایسی خواتین کی بے شمار نظائر موجود ہیں۔ وہ جو کہا گیا ہے کہ۔

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد
نہ ہر زن زن است و نہ ہر مَرد مَرد

چنانچہ اس بات کو اس مقام پر ذہن میں رکھئے کہ یہاں رجال سے جواں مرد و باہمت لوگ مراد ہیں' خواہ وہ مرد ہوں خواہ عورتیں۔

ان آیات سے ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ بندۂ مؤمن کی زندگی کے دو رخ ہیں ـــــ ایک طرف اللہ کے ساتھ دلی تعلق اور لگاؤ اور اس میں ثبات' اور دوسری طرف اللہ کے دین کے لئے جہاد و مجاہدہ اور اس میں صبر و ثبات اور استقلال و استقامت۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ میں' جو آیۂ برّ کے نام سے ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہے' برو تقویٰ کی حقیقت کے ضمن میں ارشاد ہوا کہ اللہ کے نزدیک صادق اور نیک لوگ وہ ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' اور جب کوئی عہد و معاہدہ کرتے ہیں تو اس کو پورا کرتے ہیں' اور اللہ کی راہ میں تنگی اور مصیبت نیز جہاد و قتال کے موقع پر انتہائی صبر کرنے اور ثابت قدم رہنے والے ہوتے ہیں۔ ایک بندۂ مؤمن کی زندگی کے یہ دو رُخ ہیں اور ان دونوں کے اعتبار سے انتہائی صبر و استقلال کی ضرورت ہے' لہٰذا یہاں فرمایا: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ ''اہل ایمان میں وہ جواں مرد اور باہمت لوگ بھی ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اس عہد کو جو انہوں نے اپنے اللہ سے کیا تھا''۔

اب غور کیجئے کہ یہ عہد کون سا ہے؟ اسلام خود ایک بہت بڑا عہد ہے۔ پھر ہم نماز کی ہر رکعت میں اس کا اقرار اور اس کی تجدید کرتے ہیں کہ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ اللہ کے ساتھ اس سے بڑا عہد ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کریں گے اور صرف تجھ ہی سے طالبِ اعانت و دستگیری ہیں اور رہیں

گے۔ ہم نے اپنا سب کچھ تیرے سپرد اور تیرے حوالے کر دیا ہے۔ع سپردم بہ تو مایۂ خویش را! از روئے الفاظ قرآنی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ ''بلاشبہ اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے عوض خرید لئے ہیں''۔ اب انہیں اس سودے میں پورے اتر کر دکھانا ہے۔ کہنے کو کہہ دیا' پڑھنے کو پڑھ لیا' سننے کو سن لیا' لیکن پورا اتر کر دکھانا قیامت ہے۔ کہنے کو تو شاعر نے بھی کہہ دیا کہ۔

جان دی ' دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

لیکن اس پر پورا اترنا کوئی آسان بات نہیں ــــــ پس یہاں ان اہل ایمان کی مدح و ستائش ہو رہی ہے جنہوں نے اس آزمائش و ابتلاء میں اپنے آپ کو پورا تول کر دکھا دیا۔ لہٰذا ان کی شان میں فرمایا: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ آگے فرمایا: ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ﴾ ''پس ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے'' یعنی اللہ کی راہ میں جان دے کر سرخرو اور سبک دوش ہو گئے ــــــ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ﴾ ''اور ان میں وہ بھی ہیں جو منتظر ہیں۔'' وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ کب وہ وقت آئے جب ہم اپنے اس عہد کو پورا کر کے سرخرو ہو جائیں اور اپنے شانوں پر رکھا ہوا بوجھ اتروا کر سبک دوش ہو جائیں ــــــ اگر گردن کٹ گئی تو شانوں کا بوجھ اتر گیا اور سبک دوشی حاصل ہو گئی۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((مَنْ سَاَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَاِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ)) (مسلم' کتاب الامارۃ)

''جو شخص صدقِ دل سے اللہ سے شہادت طلب کرتا رہے گا تو چاہے اس کی موت بستر پر واقع ہو اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے مراتب تک پہنچا دے گا''۔

یہ اصل میں یَنْتَظِرُ والی کیفیت کی ایک طرح کی شرح ہے۔ البتہ اس انتظار کی

کیفیات اور شرائط ہوں گی ـــــ قتال کا مرحلہ کیسے آئے گا جبکہ آپ نے جہاد ہی کی کوشش شروع نہیں کی؟ اگر آپ نے دین کے لئے محنت و مشقت کے میدان میں قدم ہی نہیں رکھا' آپ اقامتِ دین کے لئے جدوجہد کرنے والی کسی تنظیم و جماعت سے وابستہ ہی نہیں ہوئے تو پھر قتال کا مرحلہ کہاں سے آجائے گا جو جہاد کی آخری اور چوٹی کی منزل ہے؟ یہ مرحلہ تو اُس وقت آسکے گا جب آپ کسی ایسی منظم دعوت اور تحریک سے عملاً وابستہ ہوں جو اقامت دین کے لئے کوشاں ہو۔ غور کیجئے ایسے صحابہ کرامؓ بھی تو ہیں جن کا ہجرت سے قبل انتقال ہو گیا' لیکن وہ دعوت و تبلیغ اور تکبیر رب میں نبی اکرم ﷺ کے دست و بازو رہے ہیں۔ اپنی جانیں' اپنا مال' اپنے اوقات' اپنی توانائیاں اور اپنی صلاحیتیں لگاتے رہے ہیں' کھپاتے رہے ہیں۔ وہ اگر غزوۂ بدر یا اُحد تک پہنچ گئے ہوتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ ان کے قدم پیچھے ہٹ جاتے! اُن کا سابقہ طرزِ عمل ثابت کرے گا کہ وہ اپنے موقف میں کتنے ثابت قدم اور سرگرم عمل رہے ہیں۔ جو شخص قدم قدم پر پیچھے ہٹ رہا ہو اور پیسے پیسے کو سینت سینت کر رکھ رہا ہو تو کیسے ممکن ہے کہ اگر کبھی وقت کا تقاضا ہو تو وہ جان و مال کی بازی لگا دے گا؟ ـــــ پس جو بندۂ مؤمن صدقِ دل سے شہادت کا طالب ہو اور اللہ کی راہ میں نذرِ جاں پیش کرنے کا آرزومند ہو اُس کی زندگی میں اس کے عملی مظاہرے آ کر رہیں گے۔ اگر وہ جہاد فی سبیل اللہ کی وادی میں قدم رکھ چکا ہے اور شہادت کا طلبگار بھی ہے تو وہ اس بات کی توقع رکھے کہ اگر بستر پر بھی اس کی موت آئے تو اسے مرتبۂ شہادت مل سکے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس نے کاغان کا سفر شروع کیا ہے تو اس کے لئے بابوسر پاس تک بھی پہنچنے کا امکان ہو گا۔ لیکن اگر کوئی بالاکوٹ سے آگے بڑھنے اور وادیٔ کاغان میں قدم رکھنے کے لئے ہی تیار نہیں تو بابوسر پاس کب آئے گا؟ بیٹھے بیٹھے بابوسر پاس کی تمنا کرتے رہنا تو سوائے اپنے آپ کو دھوکا دینے کے اور کچھ نہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ ع خود را بہ فریبد کہ خدا را بہ فریبد ـــــ ایسا شخص خود اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے یا خدا کو فریب دے رہا ہے؟ ـــــ علامہ اقبال مرحوم نے خوب کہا ہے کہ :

خبر نہیں نام کیا ہے اس کا' خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ!

تو اس دھوکے کے انداز میں شہادت کی تمنا نہ ہو بلکہ عمل کے ساتھ صدق دل سے یہ تمنا ہو تو بستر کی موت بھی ان شاء اللہ شہادت کی موت ہوگی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت بستر پر آئی ہے جن کی زندگی ہمیشہ جنگوں کے اندر بیتی ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ آنجنابؓ کو بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے ''سَیْفٌ مِنْ سُیُوفِ اللّٰہِ'' کا خطاب ملا تھا۔ لہٰذا ان کی شہادت گویا اللہ کی تلوار ٹوٹنے کے مترادف ہوتی۔ آپؓ کو شہادت کی موت کی بڑی تمنا تھی اور اسلام لانے کے بعد آپؓ کی زندگی جہاد و قتال میں گزری ہے۔ اگرچہ ان کی شہادت کی آرزو بظاہر پوری نہیں ہوئی لیکن نبی اکرم ﷺ کے مذکورہ بالا قول مبارک اور نوید کے مطابق ان کی بستر کی موت بھی شہادت کی موت ہے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ﴾ ''انہوں نے اپنے رویے میں سرِ مو تبدیلی نہیں کی'' — ''تَبْدِیْلًا'' یہاں مفعول مطلق کے طور پر آیا ہے اور اس میں مبالغہ کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی ان اہل ایمان نے بالکلیہ اپنے عہد اور وعدے کو ایفاء کیا اور اس میں سرِ مو تبدیلی نہیں کی' بلکہ اس کو پوری طرح نبھایا — اور یہ جان لیجئے کہ ہمارے اور اس معاشرے میں بڑا بنیادی فرق یہی تھا۔ وہ عہد کے سچے تھے اور ہم عہد کرتے ہیں تو اس کا ایفاء نہیں کرتے' اس کو نبھاتے نہیں۔ ابھی عہد کریں گے اور ہاتھ میں ہاتھ دیں گے لیکن دو دن کے اندر اس کو توڑ دیں گے۔ یہ جو ہمارے کردار میں گھن لگ گیا ہے' اس کے سبب سے ہماری شخصیتیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ جبکہ اُس معاشرے کی کیفیت یہ تھی کہ ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے تو ہر چہ بادا باد' عہد کو بہر صورت ایفاء کرنا اور نبھانا ہے' پیچھے ہٹنے کا کوئی سوال نہیں۔

یہ کردار اُس معاشرے میں ایامِ جاہلیت میں بھی موجود تھا۔ لوگ بڑی زیادتی کرتے ہیں کہ اُس دور کا ایسا نقشہ کھینچتے ہیں کہ جیسے اُس معاشرے میں ظہورِ اسلام سے

قبل سرے سے کوئی خیر تھا ہی نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اس بگڑے ہوئے مسلمان معاشرے سے بہت سے اعتبارات سے وہ معاشرہ کہیں بہتر تھا۔ ان کے ہاں اگر کوئی دشمن بھی مہمان کے طور پر مقیم ہو گیا' چاہے وہ باپ کا قاتل ہے' تو اس پر آنچ نہیں آئے گی اور اس حالت میں انتقام نہیں لیا جائے گا۔ جسے بھائی کہہ دیا اس کے لئے جان و مال سب حاضر ہے۔ جس کو پناہ دے دی ہے اس کے لئے پورے قبیلے کی مخالفت گوارا کر لی جائے گی اور اس کی مدافعت میں اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔ وہاں حال یہ تھا کہ اگر کسی کی اطاعت قبول کر لی ہے تو اب اس اطاعت سے کبھی سرتابی نہیں کی جائے گی۔ یہ بنیادی کردار ہوتا ہے۔ ہم اِس وقت جن اسباب کی بنا پر دنیا میں ذلیل و رسوا اور پامال ہو رہے ہیں' ہمارا کوئی وقار نہیں ہے' کوئی باعزت مقام ہمیں حاصل نہیں ہے تو اس کا اصل سبب یہی ہے کہ ہمارا کردار پست ہو چکا ہے اور ہم' الا ماشاء اللہ' بنیادی اخلاقیات سے بھی تہی دست ہو چکے ہیں۔ ہمارے کردار میں پختگی نہیں ہے' بلکہ انتہائی بوداپن موجود ہے۔ عہد کر کے نبھانے اور اس کو وفا کرنے کی خو اور ارادہ نہیں ہے۔ جھوٹے وعدے ہم کرتے ہیں اور اچھے اچھے اور بڑے بڑے سمجھدار لوگ اس کمزوری میں مبتلا ہیں۔ یہ ہمارے کردار کی ناپختگی اور بودے پن کا بہت بڑا سبب ہے۔

ہمارے دین میں ایفاءِ عہد کی جو اہمیت ہے اس کا تفصیل سے ذکر ہمارے منتخب نصاب میں متعدد بار آتا ہے۔ جیسے آیۂ بر (سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۷) کے درس میں اہل بر و تقویٰ کے اوصاف کے ضمن میں آتا ہے: ﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾ سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے رکوع کے درس میں بیان ہوتا ہے: ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۞﴾ اسی طرح سورۃ المؤمنون کے پہلے رکوع کی آیت ۸ اور سورۃ المعارج کے پہلے رکوع کی آیت ۳۲ میں ایک شوشے کے فرق کے بغیر امانت اور عہد کے متعلق مؤمنینِ صالحین کے اوصاف کے ضمن میں آتا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۞﴾ ''اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پوری طرح حفاظت کرنے والے ہیں'' (وہی فلاح یافتہ ہیں) ـــــ یہ ہے کردار کی اہم ترین

بنیاد کہ اہل ایمان اپنے عہد و پیمان اور قول و قرار کو وفا کرنے والے اور ان کو پورا کرنے والے ہوتے ہیں۔

ان مؤمنین صادقین کی اس استقامت و مصابرت کا جو نتیجہ نکلا اس کو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿لِيَجْزِىَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ﴾ ''تا کہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے''۔ یہاں لام 'لامِ عاقبت' ہے' یعنی کسی کام کا جو نتیجہ نکلتا ہے' اسے بیان کیا جا رہا ہے۔ میں نے اس صورت حال کے متعلق آپ کو بتایا تھا کہ یہ کڑا امتحان اس لئے لیا گیا تھا کہ جدا کر کے اور نمایاں کر کے دکھا دیا جائے کہ کون لوگ مؤمنینِ صادقین ہیں' کون لوگ ضعفِ ایمان میں مبتلا ہیں اور کون لوگ منافقین ہیں! یہی تو تمیز کرنی تھی' اور یہ تمیز اس لئے تھی کہ ﴿لِيَجْزِىَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ﴾

## دین میں 'صدق' کا مقام و مرتبہ

یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ہمارے دین میں صدق کا کیا مقام اور مرتبہ ہے۔ آیۂ بر میں نیکوکاروں کے متعدد اوصاف بیان کر کے آخر میں فرمایا گیا:

﴿وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۞﴾

''(حقیقی نیکوکار تو وہ لوگ ہیں) جو تنگی اور مصیبت کے وقت اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کرنے والے ہوں' یہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں' اور یہی لوگ درحقیقت متقی ہیں۔''

سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۹ میں فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۞﴾

''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں میں شامل ہو جاؤ۔''

صدیقین کے اوصاف میں سے چوٹی کے دو اوصاف یہ ہیں کہ وہ ہر حال میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والے اور مصیبت و ابتلاء میں اور میدانِ قتال و وَغا میں استقامت و مصابرت کا مظاہرہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ اسی لئے سورۃ النساء

کی آیت ۶۹ میں منعم علیہم کی فہرست میں نبیین کے بعد صدیقین ہی کا رتبہ اور مقام بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ﴾

''جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے' یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔''

اس صدق کی بنیاد یہی ہے کہ قول میں سچے ہوں' وعدوں میں سچے ہوں' عمل میں سچے ہوں ـــــ اگر راست گفتاری نہیں ہے' راست بازی نہیں ہے' راست کرداری نہیں ہے تو نہ تقویٰ ہے اور نہ نیکی ہے۔ اس کے بغیر دین کا ڈھانچہ بے جان اور غیر مؤثر ہو جاتا ہے۔ ایسا معاشرہ بے وقعت و بے روح ہوتا ہے۔ یہ اپنے پیروں پر کھڑا ہی نہیں ہو سکتا۔ ایسے معاشرے کے افراد صرف نمائشی پہلوان ہوتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بھی دین محض بطورِ نمائش شامل ہے' اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ معاشرہ صدق کی دولت سے تہی دامن اور تہی دست ہے۔ یہ پونجی اور یہ سرمایہ اس کے پاس سے نکل چکا ہے اور اس پہلو سے وہ بالکل دیوالیہ ہو چکا ہے۔ الا ماشاء اللہ' کچھ لوگ ہوں گے جن کے پاس کچھ پونجی موجود ہو۔ حالانکہ ہمارے دین کا شدید ترین مطالبہ یہ ہے کہ جو کہہ رہے ہو اس کو عمل سے سچ کر دکھاؤ' جو تمہارے اندر ہے وہی باہر لاؤ۔ چنانچہ سورۃ الصف میں' جو ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہے' دوٹوک انداز میں فرمادیا گیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۞ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۞﴾

''اے اہلِ ایمان! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ حرکت سخت ناپسندیدہ اور بیزار کن (اور اس کے غضب کا باعث) ہے کہ تم وہ بات کہو جس کے مطابق تمہارا عمل نہیں۔ اللہ کو تو وہ اہلِ ایمان محبوب ہیں جو اُس

کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر مقابلہ کرتے ہیں جیسے وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔“

یہ ہے دراصل صدق کی بنیاد —— صدق قول کا بھی ہے' صدق عمل کا بھی ہے' صدق انسان کی سیرت و کردار کا بھی ہے۔ صدق بوقت ضرورت اللہ کی راہ میں نقد جان کا نذرانہ پیش کرنا بھی ہے۔ اب ان آیات میں صدق کی اہمیت دیکھئے۔ فرمایا:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

”اہلِ ایمان میں وہ باہمت لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچ کر دکھایا ہے۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی اپنی باری کا منتظر ہے۔ (یہ اس لئے ہوا) تاکہ اللہ مؤمنین صادقین کو ان کی سچائی کی جزا دے۔ اور منافقین کو اگر چاہے تو سزا دے یا اگر چاہے تو (ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمادے اور) ان کی توبہ قبول فرمالے۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے“۔

## منافقین کے بارے میں تدریجی احکام

غزوۂ احزاب ۵ ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ یہ زمانہ مدنی دور کا وسط ہے۔ منافقین کے باب میں آپ کو قرآن مجید میں یہ تدریج نظر آئے گی کہ شروع میں یعنی سورۃ البقرۃ اور سورۂ آلِ عمران میں لفظ نفاق آیا ہی نہیں۔ صرف اس مرضِ نفاق کی علامات ظاہر کی گئیں۔ سورۃ النساء میں لفظ نفاق کے ساتھ سخت لہجہ اور اسلوب میں گفتگو شروع ہوتی ہے۔ یہاں یہ معاملہ ہے کہ منافقین کا کردار تو واضح اور نمایاں طور پر بیان کر دیا گیا ہے' لیکن ان کے رویئے کے متعلق آخری فیصلہ ابھی نہیں سنایا گیا تاکہ اگر کسی کے اندر اصلاح پذیری کا کوئی مادہ اور رمق موجود ہے تو وہ اصلاح کر لے۔ کوئی اگر نفاق کی حالت سے لوٹ سکتا ہے تو لوٹ آئے۔ کوئی اگر ایمانِ حقیقی کی طرف رجوع کر سکتا ہے

توکر لے' دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے۔ لیکن آگے جا کر اس ضمن میں آخری احکام اور فیصلے آئے ہیں' جن میں سے ایک فیصلہ تو سورۃ النساء میں شامل کیا گیا کہ: ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴾ (آیت ۱۴۵) ''یقیناً منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے' اور تم کسی کو اُن کا مددگار نہ پاؤ گے''۔ اور سورۃ التوبہ (البراءۃ) میں جو ۹ ھ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی' مختلف مقامات پر مختلف اسالیب سے' ان منافقین کی اصل حقیقت کھول کر یہ فیصلے صادر فرما دیئے گئے کہ:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴾ (آیت ۶۸)

''منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کے لئے اللہ نے آتشِ دوزخ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی ان کے لئے موزوں ٹھکانہ ہے۔ ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور ان کے لئے قائم ودائم رہنے والا عذاب ہے۔''

آگے یہاں تک فرما دیا کہ:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ (آیت ۸۰)

''(اے نبیؐ!) آپ خواہ ایسے لوگوں کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں' اگر آپؐ ستر بار بھی ان کو معاف کر دینے کی درخواست کریں گے تب بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا' اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کیا ہے' اور اللہ فاسقوں کو راہ یاب نہیں فرماتا۔''

حضور ﷺ کا اپنا مزاج ہے۔ آپؐ رؤف بھی ہیں اور رحیم بھی۔ لہٰذا آپ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ستر سے زیادہ بار استغفار کرنے سے ان کی مغفرت ہو سکتی ہے تو میں کرتا ـــــ نبی اکرم ﷺ کے اس قول کا کیا مطلب ہوا؟ یہ کہ یہاں ستر سے مراد عدد یا ہندسہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک استعارہ ہے۔ یہاں ستر کا لفظ کثرت

کے لئے آیا ہے کہ اب ان کے لئے توبہ کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ ان کو بار بار متوجہ کیا گیا۔ تقریباً دس سال بیت گئے۔ ان کو اصلاح کا پورا پورا موقع دیا گیا —— اس مقام پر ہی دیکھ لیجئے کتنے پیارے انداز میں فرمایا گیا: ﴿وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ مؤمنینِ صادقین کے لئے تو قطعیت کے ساتھ فرمایا گیا: ﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ ﴾ لیکن منافقین کے لئے توبہ کرنے اور اپنے رویّے کی اصلاح کرنے کا موقع رکھا گیا اور ان کو مہلت دی گئی کہ ابھی ان کے بارے میں قطعیت کے ساتھ فیصلے کا وقت نہیں آیا ہے' ابھی ان کے لئے راستہ کھلا رکھا گیا ہے۔ چونکہ ان کے لئے توبہ کا دروازہ ابھی کھلا رکھا گیا تھا لہٰذا یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غفوریت اور رحمانیت کا بیان فرما دیا تا کہ منافقین بالکل مایوس نہ ہو جائیں۔ گویا ان کو دعوت دی جا رہی ہے کہ آؤ' لوٹو اور رجوع کرو۔

باز آ باز آ آں ہرچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ!
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ!

## اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اب آگے چلئے۔ فرمایا: ﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا﴾ اور "اللہ نے کفار کا مُنہ پھیر دیا اور وہ اپنے دل کی جلن اور غصہ وغیظ لئے یونہی پلٹ گئے اور ان کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا"۔ غور کیجئے کہ ان کفار کو کن کن حسرتوں کا مُنہ دیکھنا پڑا ہوگا۔ کیسے کیسے ساز و سامان کے ساتھ اور کیسی کیسی سازشوں کے نتیجے میں اتنی مختلف سمتوں سے لشکروں کا ایک جگہ آ کر جمع ہو جانا! اس کے لئے انہوں نے کیا کیا کھکھیڑ مول نہیں لئے ہوں گے؟ کتنی سفارتی بھاگ دوڑ اور چلت پھرت ہوئی ہوگی۔ کتنے ایلچی آئے اور گئے ہوں گے۔ کتنے پروگرام بنے ہوں گے! وہ کوئی ٹیلی کمیونیکیشن کا دور تو نہیں تھا۔ اُس زمانے کے عرب میں اس حملے کی تیاری اور پروگرام بنانے کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلے گئے ہوں گے' ذرا ان کا تصور تو کیجئے! لیکن ان کے متحدہ محاذ اور اُن کی تمام تر کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنے خیمے اکھاڑ کر جانے پر مجبور ہو گئے۔ اس پر ان کے

دلوں میں غیظ وغضب کی جو آگ سلگ رہی تھی اس پر اللہ تعالیٰ تبصرہ فرما رہا ہے: ﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو ان کے غیظ وغضب سمیت لوٹا دیا' اب وہ اس میں سلگیں اور جلیں' گویا ان کے دل آگ کی بھٹی بنا دیئے گئے ـــــ وہ کوئی خیر نہ پا سکے' کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے اور کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ بغیر اس کے کہ اپنے مقاصد میں سے کچھ بھی انہیں ملا ہوتا' وہ ناکام اور خائب و خاسر ہو کر لوٹا دیئے گئے۔

اسی آیت میں آگے فرمایا: ﴿وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ﴾ ''اور اللہ کافی ہو گیا اہلِ ایمان کی طرف سے قتال کے لئے۔'' قتال کا تو موقع ہی نہیں آیا۔ خندق میں جو کوئی بھی کودا مبارزت طلبی کے بعد واصل جہنم ہوا۔ باقی اللہ اللہ خیر صلا! سیرتِ مطہرہ کی کتب میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے پوری کوشش کی تھی لیکن انہیں خندق میں لشکر اتارنے کی ہمت نہیں ہوئی' کیونکہ مسلمان تیر اندازوں نے اپنے تیروں کی بوچھاڑ سے ان کو ہزیمت پر مجبور کر دیا۔ لہٰذا اس غزوے میں دوبدو گھمسان کی جنگ' جیسے بدر اور اُحد میں ہوئی' کا تو موقع ہی نہیں آیا۔ یہ جنگ تو اللہ نے مسلمانوں کے لئے جیت لی۔ اصل میں تو مسلمانوں کا امتحان مقصود تھا' وہ ہو گیا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا' یعنی اہلِ ایمان اور اہلِ نفاق جدا جدا ہو کر نمایاں اور ممیّز ہو گئے۔ بس یہی مطلوب تھا۔ اب کفار کے لشکروں کے منہ موڑنے کے لئے اللہ کافی ہو گیا۔

یہ آیت مبارکہ اس پُرجلال و پُرہیبت اسلوب سے ختم ہوتی ہے کہ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝﴾ ''اللہ بڑی قوت والا' زبردست ہے''۔ اس سے پہلے کی آیت میں درِ توبہ وا رکھا گیا تھا لہٰذا وہاں صفات کون سی آئیں؟ ﴿غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ آیات کے آخر میں بالعموم اللہ کی جو صفات یا اسماء حسنیٰ آتے ہیں' ان کا مضمون سے گہرا ربط و تعلق ہوتا ہے' ان پر سے سرسری طور پر گزرنا نہیں چاہئے۔ یہاں دو صفات کی وساطت سے بتایا جا رہا ہے کہ اللہ بڑی قوت والا اور زبردست اختیار و اقتدار رکھنے والا ہے۔ اس کی ذاتِ والا صفات فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے' وہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ

پورے عرب کے مشرک قبائل اور یہود کے دو قبیلے متحدہ محاذ بنا کر اسلامی تحریک کو بالکلیہ نیست و نابود کرنے کے لئے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ لیکن تقریباً ایک ماہ کے طویل محاصرے کے بعد قدرتِ الٰہی کا کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ ایک رات سخت آندھی آئی جس میں سردی' کڑک اور چمک تھی اور اتنا اندھیرا تھا کہ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا نقشہ تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ آندھی نے دشمنوں کے خیمے تلپٹ کر دیئے تھے اور ان کے اندر شدید افراتفری مچ گئی تھی۔ مشرکین عرب کا یہ متحدہ محاذ قدرتِ الٰہی کا یہ کاری وار سہہ نہ سکا اور صبح صادق سے قبل ہی ہر ایک نے اپنی اپنی راہ پکڑی۔ صبح جب مسلمان اٹھے تو میدان خالی تھا جس کو دیکھ کر نبی اکرم ﷺ نے یہ تاریخی الفاظ ارشاد فرمائے تھے: ((لَنْ تَغْزُوْكُمْ قُرَيْشٌ بَعْدَ عَامِكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّكُمْ تَغْزُوْنَهُمْ)) ''اب قریش تم پر کبھی چڑھائی نہ کر سکیں گے بلکہ اب تم ان پر چڑھائی کرو گے۔''

## غزوۂ بنو قریظہ۔ غزوۂ احزاب کا ضمیمہ و تتمہ

آگے چلئے! غزوۂ احزاب کا جو ضمیمہ اور تتمہ ہے' یعنی غزوہ بنی قریظہ' اس کا نہایت اختصار مگر جامعیت کے ساتھ اس رکوع کی آخری دو آیات میں ذکر ہے۔ سیرت کی کتابوں میں اس کو علیحدہ عنوان کے تحت بیان کیا جاتا ہے' لیکن قرآن مجید میں اس کا ذکر یہاں غزوۂ احزاب کے ضمن میں ایک Appendix کے طور پر کیا گیا ہے

ان دو آیات کے مطالعے سے قبل رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے وقت مدینہ منورہ میں یہود کے جو تین قبائل آباد تھے ان کے متعلق تھوڑا سا نقشہ اپنے ذہن میں قائم کر لیجئے۔ یہ قبیلے تھے بنو قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ نبی کریم ﷺ کا کمال تدبر یہ تھا کہ مدینہ تشریف آوری کے فوراً بعد آپؐ نے ان تینوں قبائل کو ایک معاہدے کا پابند کر لیا تھا۔ حضورؐ کی اس کمالِ فراست کو میں جو بھی خراجِ تحسین پیش کروں گا' وہ عقیدت میں شمار ہو سکتا ہے' لیکن اس تدبر و فراست پر مستشرقین کمال درجہ کا خراجِ تحسین پیش کر چکے ہیں۔ وہ ایچ جی ویلز ہوں' منٹگمری واٹ ہوں یا دوسرے مستشرقین

ہوں' انہوں نے حضورؐ کے کمال تدبر اور پیش بینی کی جو مدح سرائی کی ہے' وہ کافی ہے۔ اصل تعریف وشہادت تو وہ ہے جو اَعداء دیں۔ مدینہ میں بسنے والے اوس وخزرج کے اکثر لوگ ایمان لے آئے تھے۔ یہی دو قبیلے اصلاً مدینہ کے رہنے والے تھے' جبکہ یہود باہر سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ اوس وخزرج کی دعوت پر ہی باذنِ الٰہی حضور ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی تھی اور یہاں تشریف آوری کے بعد آپؐ کی حیثیت مدینہ کے امیر' حاکم اور مقتدرِ اعلیٰ کی ہوگئی۔ آپؐ نے ان یہودی قبائل کو اس معاہدے میں جکڑ لیا کہ اگر باہر سے مدینہ پر کوئی حملہ آور ہوا تو سب مل کر دفاع کریں گے۔ یہ معاہدہ تھا جو یہود کے گلے کا طوق بن گیا۔ یہ معاہدہ نہ ہوتا تو شاید صورتِ حال مختلف ہوتی۔ واللہ اعلم!

اپنی جگہ پر ایک دوسری بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ مسلمان قوم جب بگڑتی ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اس کے اندر ''وھن'' پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لفظ ''وھن'' کی حضور ﷺ نے تشریح یوں فرمائی ہے کہ: حُبُّ الدُّنیَا وَکَرَاهِیَةُ الْمَوْتِ۔ یعنی اس قوم میں دنیا کی محبت اور موت سے ناگواری پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر وہ دشمن کے مقابلہ میں کمزور ہو جاتی ہے۔ یہود اُس وقت کی بگڑی ہوئی مسلمان قوم تھی۔ ان کے اندر وہ ضعف تھا کہ سورۃ الحشر میں اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا: ﴿ لَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ﴾ ''(اے مسلمانو!) یہ یہود کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تمہارا مقابلہ نہیں کریں گے' لڑیں گے بھی تو قلعہ بند بستیوں میں بیٹھ کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر۔'' ان یہودیوں کے برعکس مشرکین نے کھلے میدانوں میں آ کر جنگ کی ہے۔ ابوجہل نے غزوۂ بدر میں اپنے معبودانِ باطل اور اپنے اوہامِ باطلہ کے لئے دوبدو ہو کر میدانِ جنگ میں گردن کٹوائی۔ لیکن یہود کا معاملہ یہ ہے کہ جب لڑیں گے تو فصیلوں پر چڑھ کر عورتوں کی طرح پتھراؤ کریں گے۔ پھر یہ آپس کی مخالفت میں بڑے سخت ہیں' ازروئے الفاظ قرآنی: ﴿ بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰی ؕ﴾ (آیت ۱۴) تم ان کو اکٹھا سمجھتے

ہو حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ لہٰذا تم ان سے گھبراؤ نہیں۔ بظاہر ان کی جمعیت بہت مرعوب کن ہے' یہ بہت پیسے والے ہیں' ساز و سامان بھی ان کے پاس وافر موجود ہے' اسلحہ بھی ان کے پاس بہت ہے' ان کے پاس گڑھیاں ہیں' قلعے ہیں۔ صورت واقعہ یہ تھی کہ یہ اندر سے اتنے بودے تھے کہ ان میں میدان میں آ کر لڑنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ پھر ان تمام کمزوریوں کے علی الرغم نبی اکرم ﷺ نے ان کو معاہدے میں جکڑ لیا تھا۔

اب یہ ہوا کہ یہ مختلف مواقع پر اس معاہدے پر تلملاتے رہے۔ ان میں سب سے زیادہ شجاع بنوقینقاع تھے۔ آہن گری اور زرگری کے پیشے کے اعتبار سے ان کے پاس پیسہ بھی تھا اور سامان حرب اسلحہ وغیرہ بھی کافی تھا۔ غزوۂ بدر کے بعد سب سے پہلے ان کی طرف سے نقض عہد ہوا اور اس معاہدے کی خلاف ورزی ہوئی۔ حضور ﷺ نے فوراً اقدام فرمایا اور ان کو مدینہ بدر ہونا پڑا۔ یہ پہلا موقع تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ بڑی رعایت برتی' ان کو اپنا تمام ساز و سامان لے جانے کی اجازت دے دی اور وہ اونٹوں پر اپنا تمام اسباب لاد کر گاتے بجاتے ایک جشن کی صورت میں مدینہ سے نکلے۔ یہ پہلا معاملہ تو ۲ھ میں بدر کے بعد بنوقینقاع کے ساتھ ہو گیا۔ غزوۂ اُحد کے بعد یہی معاملہ بنونضیر کے ساتھ پیش آیا۔ اُحد میں مسلمانوں کی عارضی ہزیمت سے ان کے حوصلے بلند ہو گئے تھے اور یہ قبیلہ دلیر ہو کر مسلسل بدعہدیاں کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے خود نبی اکرم ﷺ کو شہید کرنے کی سازش تک کر ڈالی۔ نبی اکرم ﷺ نے اس قبیلے کو بھی مدینہ بدر کر دیا اور یہ دونوں قبیلے خیبر کے آس پاس جا کر آباد ہو گئے' جہاں یہودی پہلے سے آباد تھے اور انہوں نے بڑی مضبوط قلعہ بندیاں کر رکھی تھیں۔

## اہل ایمان کے خلاف مشرکین عرب اور یہود کی مشترکہ سازشیں

ان دونوں قبیلوں کو اسلام اور حضور ﷺ سے دلی عداوت تو پہلے ہی سے تھی۔ مدینہ سے جلاوطنی نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور یہ قبیلے خیبر میں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف عرب کے مشرک قبائل کو بھڑکانے اور مدینہ پر چڑھائی کرنے پر اکسانے کے لئے

مسلسل سازشیں کرتے رہے۔ ان کے سردار' ان کے شعراء اور ان کے خطیب مشرکین کے قبیلوں میں جا کر مسلمانوں کے خلاف زہر اگلتے رہے۔ چنانچہ ۵ ھ میں غزوۂ احزاب میں ہر چہار سمت سے عرب کے مشرک قبائل نے مدینہ پر جو یلغار کی وہ انہی یہود کی سازش کا نتیجہ تھی اور اس یلغار کی نقشہ بندی میں بھی یہی یہودی پیش پیش تھے۔ اس موقع پر' جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں' حملہ آور لشکریوں کی تعداد تقریباً بارہ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھی۔ مسلمانوں کے خلاف اتنی بڑی جمعیت اس سے قبل کبھی جمع نہیں ہوئی تھی۔ اگر یہ حملہ اچانک ہوتا تو سخت نقصان دہ اور تباہ کن ہوسکتا تھا۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ آپؐ کو دشمنوں کی نقل و حرکت کی برابر اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ آپؐ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر دفاع کے لئے جبل اُحد کے مشرقی اور مغربی گوشوں میں خندق کھدوا کر شہر کو محفوظ کر لیا۔ مدینہ کی جغرافیائی پوزیشن ایسی تھی کہ اسی طرف سے حملہ ہوسکتا تھا' بقیہ سمتوں میں قدرتی رکاوٹیں موجود تھیں۔ کفار و مشرکین اس طریقِ دفاع سے ناآشنا تھے۔ ناچار انہیں جاڑے کے موسم میں ایک طویل محاصرے کے لئے مجبور ہونا پڑا' جس کے لئے وہ تیار ہو کر اپنے ٹھکانوں سے نہیں آئے تھے۔

اب ان کے لئے ایک ہی چارۂ کار رہ گیا تھا کہ وہ بنو قریظہ کے یہودی قبیلے کو مدینہ منورہ پر جنوب مشرقی گوشے سے حملہ کرنے پر آمادہ کریں۔ چونکہ اس قبیلے سے مسلمانوں کا باقاعدہ حلیفانہ معاہدہ طے تھا کہ مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدافعت کریں گے لہٰذا اس طرف سے بے فکر ہو کر مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ اس سمت میں دفاع کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا بلکہ اپنی عورتیں اور بچے بھی ان گڑھیوں میں بھجوا دیئے تھے جو بنو قریظہ کی جانب تھیں۔ کفار نے مسلمانوں کے دفاع کے اس کمزور پہلو کو بھانپ لیا اور انہوں نے بنو قریظہ کے سرداروں کے پاس سفارت بھیج کر ان کو غدّاری پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ اوّل تو وہ ہچکچائے کہ ہمارا محمد (ﷺ) سے معاہدہ ہے اور ہم کو ان سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ ابتداء میں ان کا

موقف یہی تھا' لیکن اس کے بعد حُیَی بن اَخطب نے ان کو مزید دلائل دیئے کہ ''دیکھو میں عرب کی متحدہ قوت کو محمدؐ پر چڑھا لایا ہوں' اسلام کو ختم کرنے کا یہ آخری موقع ہے۔ اتنے بڑے لشکر آئندہ کبھی جمع نہیں ہو سکیں گے اور پھر ساری عمر ہم سب کو کف افسوس ملنا پڑے گا' کیونکہ پھر محمد (ﷺ) کا مقابلہ کوئی بھی نہیں کر سکے گا۔'' ابنِ اخطب کی ان باتوں سے بنو قریظہ پر بھی معاہدے کی پاسداری اور اخلاقی اقدار کے لحاظ پر اسلام دشمنی غالب آ گئی اور وہ نقضِ عہد پر آمادہ ہو گئے۔

نبی اکرم ﷺ اس صورتِ حال سے بے خبر نہیں تھے۔ آپ ﷺ کو پل پل کی اطلاعات مل رہی تھیں۔ آپؐ نے انصار کے سرداروں میں سے حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نیز دو اور حضرات (رضی اللہ عنہم) کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا کہ جا کر تحقیق کر کے آئیں کہ صورت حال کیا ہے! ادھر خود اہل ایمان کے لشکر میں منافقین کا ففتھ کالمسٹ عنصر موجود تھا۔ وہ مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لئے خبریں پھیلا رہے تھے کہ اب بنو قریظہ کی جانب سے بھی حملہ ہوا چاہتا ہے' لہٰذا ہوش کے ناخن لو اور اپنے گھروں کی خبر لو جو جنوب مشرقی گوشے سے بنو قریظہ کی براہِ راست زد میں ہیں۔ آیت ۱۳ میں منافقین کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ﴿یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا﴾ ''اے یثرب کے لوگو! تمہارے لئے اب ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے' پس پلٹ چلو''۔ نبی اکرم ﷺ نے جن سرداروں کو بنی قریظہ سے گفت و شنید کے لئے بھیجا تھا' ان کو تاکید فرمائی تھی کہ اگر تم دیکھو کہ بنو قریظہ اپنے عہد پر قائم ہیں تو تم آ کر سارے لشکر کے سامنے علی الاعلان خوش خبری دینا کہ یہ محض افواہ ہے' اس کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں ہے' لیکن اگر وہ نقضِ عہد کا فیصلہ کر چکے ہیں تو صرف مجھے اشارۃً اس کی اطلاع دینا' عام لوگوں کے سامنے بیان نہ کرنا' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کے حوصلے مزید پست ہو جائیں۔ ان حضرات نے واپس آ کر حضور ﷺ کو اشارہ و کنایہ میں بنو قریظہ کے عزائم سے آگاہ کر دیا۔ اس لئے کہ بنو قریظہ کے سرداروں نے ان انصار سے برملا کہہ دیا تھا کہ لَا عَقْدَ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مُحَمَّدٍ وَّلَا عَهْدَ ''ہمارے اور محمد

(ﷺ) کے مابین کوئی عہد و پیان نہیں ہے۔''

## بنوقریظہ کی غداری اور نعیمؓ بن سعود کی حکمت عملی

غزوۂ احزاب میں سب سے زیادہ تشویشناک صورت بنوقریظہ کی اس غداری سے بنی تھی۔ اس لئے کہ نہ صرف اسلامی لشکر کا عقب محفوظ نہیں رہا تھا بلکہ وہ گڑھیاں اور مدینہ منورہ کا شہر بھی محفوظ نہیں رہے تھے جہاں صرف عورتیں اور بچے تھے۔ وہ تو اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ قبیلہ غطفان کی شاخ اشجع سے ایک صاحب نعیم بن سعودؓ مسلمان ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں خفیہ طور پر حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے اسلام قبول کرنے کا ابھی کسی کو علم نہیں ہے' آپؐ اِس وقت جو چاہیں مجھ سے خدمت لے سکتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر ممکن ہو تو تم جا کر ان اَحزاب اور بنوقریظہ میں پھوٹ ڈالنے اور عدم اعتماد پیدا کرنے کی کوئی تدبیر کرو۔ چنانچہ انہوں نے یہ حکمتِ عملی اختیار کی کہ وہ پہلے بنوقریظہ کے پاس گئے جہاں ان کا پہلے ہی سے آنا جانا تھا اور وہ وہاں متعارف تھے اور ان کے سرداروں سے کہا کہ ''قریش اور غطفان کے قبائل تو محاصرے کی طوالت سے تنگ آ کر بغیر لڑے بھڑے واپس بھی جا سکتے ہیں' ان کا تو کچھ نہیں بگڑے گا' لیکن تم کو یہیں رہنا پڑے گا۔ ایسی صورت میں تمہارا کیا حشر ہوگا؟ اس کو بھی سوچ لو۔ میری رائے ہے کہ تم اُس وقت تک کوئی اقدام نہ کرنا جب تک باہر سے آئے ہوئے ان قبائل کے چند سر برآوردہ لوگ تمہارے پاس بطور یرغمال نہ ہوں۔'' بنوقریظہ کے دل میں یہ بات اتر گئی اور انہوں نے متحدہ محاذ کے قبائل سے یہ مطالبہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر یہ صاحب قریش اور غطفان کے سرداروں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ ''میں بنوقریظہ کے پاس سے آ رہا ہوں' وہ کچھ متذبذب معلوم ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ تم سے یرغمال کے طور پر چند آدمی طلب کریں اور پھر انہیں محمد (ﷺ) کے حوالے کر کے ان کے ساتھ ازسرنو اپنا معاملہ استوار کر لیں' اس لئے ان کے ساتھ ہوشیاری سے نمٹنے کی ضرورت ہے۔ سردارانِ لشکر یہ بات سن کر ٹھٹھک گئے۔ انہوں نے بنوقریظہ کو کہلا بھیجا کہ ہم اس طویل محاصرے سے تنگ آ گئے ہیں' اب ایک

فیصلہ کن معرکہ ہونا ضروری ہے۔ کل تم اپنی سمت سے بھرپور حملہ کرو' اِدھر سے ہم یکبارگی مسلمانوں پر یلغار کر دیں گے۔ بنوقریظہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ جب تک آپ اپنے چند چیدہ آدمی بطورِ یرغمال ہمارے حوالے نہیں کریں گے' ہم جنگ کا خطرہ مول نہیں لیں گے۔ انہوں نے یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اس طرح دونوں فریق اپنی اپنی جگہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ نعیم کی بات سچی تھی۔ نتیجتاً نعیم بن سعودؓ کی یہ حکمت عملی کامیاب ثابت ہوئی اور دشمنوں کے کیمپ میں بداعتمادی اور پھوٹ پڑ گئی۔

## بنوقریظہ کے خلاف اقدام کا فیصلہ

بنوقریظہ نے اگرچہ عملاً غزوۂ احزاب میں کوئی حصہ نہیں لیا—— لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ فسخ کر چکے تھے اور انہوں نے برملا کہہ دیا تھا کہ "لَا عَقْدَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مُحَمَّدٍ وَلَا عَهْدَ"۔ لہٰذا اب جب کہ غزوۂ احزاب اس معنی میں ختم ہوا کہ مشرکین عرب کے تمام لشکر محاذ چھوڑ کر اپنے اپنے مستقر کی طرف لوٹ گئے تو نبی اکرم ﷺ اپنے ہتھیار اتار رہے تھے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ "اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ ہتھیار اتار رہے ہیں جبکہ ہم نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے ہیں۔ آپ فوراً تشریف لے جا کر بنوقریظہ کا محاصرہ فرمائیے۔ چنانچہ اسی وقت حضور ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی مسلمان عصر کی نماز بنوقریظہ کی بستی میں پہنچنے سے قبل نہ پڑھے۔

## اصحاب الرائے اور اصحاب الحدیث کے مابین اختلاف کی حقیقت

اب یہاں ایک اہم بات بھی لگے ہاتھوں بیان کر دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہمارے ہاں جو دو مکاتیب فکر ہیں' یعنی اصحاب الرائے اور اصحاب الحدیث' ان کے مابین اصل اختلاف کیا ہے! وہ نوٹ کر لیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ کوئی مسلمان عصر کی نماز نہ پڑھے جب تک بنی قریظہ پر نہ پہنچ جائے۔ معنی کیا تھے؟ یہ کہ جلد سے جلد پہنچو! اللہ کا حکم ہے' حضرت جبریلؑ نے آ کر بتایا ہے۔ پس جلد پہنچنے کے لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ

عصر سے پہلے پہلے پہنچ جاؤ تاکہ ان کا معاملہ چکا دیا جائے۔ اب راستے میں صورت یہ پیش آ گئی کہ ایک ٹکڑی ابھی بنو قریظہ تک نہ پہنچ پائی تھی کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ لشکر مختلف ٹکڑیوں میں منزل کی جانب بڑھ رہا تھا' کئی میل کا سفر تھا۔ جس ٹکڑی کو راستہ ہی میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا تو نماز قضا ہونے کا امکان پیدا ہو گیا۔ اب ان لوگوں کے مابین اختلاف پیدا ہوا۔ ایک فریق نے کہا کہ حضورؐ کا منشا یہ نہیں تھا کہ وہاں پہنچے بغیر عصر مت پڑھو' بلکہ منشا یہ تھا کہ ہم عصر سے پہلے پہلے وہاں پہنچ جائیں۔ لیکن اگر کسی وجہ اور مجبوری سے درمیان ہی میں عصر کا وقت ہو گیا ہے تو ہمیں نماز پڑھ لینی چاہئے۔ لیکن دوسرے فریق نے کہا کہ نہیں' جو حضور ﷺ نے فرمایا ہے ہم تو اسی کے مطابق عمل کریں گے۔ حضور ﷺ نے تو "منشا" بیان نہیں فرمایا' لہٰذا ہم تو رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کی پیروی کریں گے اور عصر کی نماز بنو قریظہ کی بستی تک پہنچنے سے قبل نہیں پڑھیں گے' چاہے نماز قضا ہو جائے۔ دونوں فریقوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق عمل کر لیا۔ جب حضور ﷺ کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا تو حضورؐ نے فرمایا کہ دونوں نے صحیح عمل کیا۔

اب یہ ہے وہ حکمت' جو محمد رسول اللہ ﷺ ہمیں تعلیم فرما گئے ہیں۔ لہٰذا خدارا بات کو کھلے دل سے سمجھئے اور خواہ مخواہ رائے' تعبیر اور اجتہاد کے اختلاف پر مستقل طور پر من دیگرم تو دیگری کا رویہ اختیار نہ کیجئے۔ یہ تفرقہ وحدتِ اُمت کے لئے سمِ قاتل ہے۔ ایک رویہ یہ ہے کہ حدیث کے جو الفاظ (letters) ہیں' ہم تو بالکل حرف بہ حرف' ہو بہو' literally اُس پر عمل کریں گے۔ ہم نہیں جانتے کہ علت کیا ہے' اور حکمت کیا ہے؟ وہ اللہ جانے اور اس کا رسولؐ جانے۔ اگر مسواک کا لفظ حدیث میں آیا ہے تو ہم تو مسواک ہی استعمال کریں گے۔ جبکہ دوسرا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ مسواک کرنے کی اصل غایت و علت دانت صاف رکھنا ہے' اگر ٹوتھ پیسٹ اور برش سے دانت صاف کر لئے تو مقصد پورا ہو گیا۔ اس طرح یہ دو مکاتیب فکر ہیں۔ ایک اصحابِ حدیث جو حدیث کے الفاظ کو جوں کا توں اختیار کرنے کو صحیح اور اقرب الی السنۃ سمجھتے ہیں اور اسی طرزِ عمل میں عافیت خیال کرتے ہیں۔ دوسرے اصحاب الرائے ہیں جو غور و

تدبر کرتے ہیں کہ کسی حدیث کی اصل حکمت کیا ہے' اس کی غرض و غایت کیا ہے! نبی اکرم ﷺ نے دونوں قسم کے طرزِ عمل کی تصویب فرمائی ـــــ یہ اللہ کا شکر اور اس کا کرم و فضل ہے کہ اس معاملے میں اس نے اپنے رسول ﷺ سے دونوں طرزِ عمل کی تائید کرا دی۔ اس لئے کہ دونوں کی نیت دراصل تعمیل حکم اور اتباع تھا۔ پس ہم کو بھی یہی رویہ اختیار کرنا چاہئے کہ دونوں attitudes کے لئے اپنے دل میں کشادگی پیدا کریں۔ عمل تو ایک ہی پر ہوگا' اس میں تو کوئی شک نہیں۔ یا آپ الفاظِ ظاہر پر عمل کریں گے یا اس کی حکمت و علت معلوم کر کے اسے اختیار کریں گے۔ اجتہاد کی بنیاد بھی تو یہی ہے کہ اہلِ علم احکامِ شرعیہ کی علت تلاش کریں اور دیکھیں کہ درپیش مسئلہ میں علت کس درجہ کی مشترک ہے' اسی کے مطابق قیاس کر کے مسئلہ کا حل نکال لیا جائے ـــــ تو یہ طریق تھا اصحابِ فقہ کا' جن کو اصحاب الرائے بھی کہا گیا ہے اور اوّل الذکر طریقہ تھا اصحابِ حدیث کا ـــــ لیکن حقیقت نفس الامری کے اعتبار سے دونوں مسلک حق ہیں۔ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس واقعہ میں دونوں فریقوں کی تصویب فرمائی۔ یہ واقعہ اسی غزوہ کے دوران پیش آیا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے بھی آپ حضرات کے سامنے رکھ دوں۔ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ہر واقعہ میں ہمارے لئے رہنمائی ہے اور یہی حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کے اکمل و اتم ہونے کی دلیل ہے ـــــ بہرحال یہ ایک ضمنی بحث تھی جو درمیان میں آ گئی۔ اب اصل موضوع کی طرف رجوع کیجئے۔

## بنوقریظہ کا محاصرہ

بنوقریظہ کی گڑھیوں پر سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بطور مقدمۃ الجیش پہنچا۔ بنوقریظہ یہ سمجھے کہ یہ ہمیں محض دھمکانے آئے ہیں۔ وہ اُس وقت تک تو بڑے طنطنے میں تھے۔ انہوں نے اپنے کوٹھوں پر چڑھ کر نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کی شان میں گستاخیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ لیکن جب نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں پورے اسلامی لشکر نے وہاں پہنچ کر ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا تو ان کے ہوش ٹھکانے آئے۔ انہوں نے عین آڑے وقت اور پرخطر حالات میں معاہدہ تو

ڈالا تھا اور مدینہ کی پوری آبادی کو ہلاکت خیز خطرے میں مبتلا کر دیا تھا۔اس طرح انہوں نے پشت سے خنجر گھونپنے کی پوری تیاری کر لی تھی۔ یہ تو حضرت نعیم کی جنگی چال اور حکمت عملی تھی، جس سے وہ مات کھا گئے۔ان کا جرم کسی طور پر بھی قابلِ عفو نہیں تھا اور ان کو قرار واقعی سزا ملنی چاہئے تھی۔

جب محاصرے کی شدت، جو دو تین ہفتے جاری رہی، ان کے لئے نا قابل برداشت ہوگئی تو انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈالنے اور خود کو نبی اکرم ﷺ کے حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بنایا جائے، وہ ان کے متعلق جو بھی فیصلہ کریں وہ فریقین تسلیم کر لیں۔ انہوں نے حضرت سعدؓ کو اس توقع پر حَکَم بنانے کی تجویز رکھی تھی کہ اوس اور بنو قریظہ کے مابین مدتوں سے حلیفانہ تعلقات چلے آ رہے تھے۔ان کو امید تھی کہ وہ ان کا لحاظ کریں گے اور بنو قینقاع اور بنو نضیر کی طرح ان کو بھی اپنے ساز و سامان اور مال و اسباب کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل جانے کا فیصلہ کریں گے۔ حضرت سعدؓ کو خندق میں دشمنوں کا ایک تیر لگ گیا تھا اور وہ شدید زخمی تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے علاج معالجہ کے لئے مسجد نبوی میں ایک خیمہ لگوا رکھا تھا۔حضور ﷺ خود ان کی تیمارداری فرما رہے تھے اور آپؐ نے خود اپنے ہاتھ سے ان کے زخم کو داغا تھا۔حضور ﷺ کو حضرت سعدؓ سے بہت محبت تھی۔ انصار میں دو سعد تھے۔ایک سعدؓ بن معاذ جو قبیلۂ اوس کے رئیس تھے اور دوسرے سعدؓ بن عبادہ جو قبیلۂ خزرج کے رئیس تھے۔ خود حضرت سعدؓ بن معاذ کو بھی نبی اکرم ﷺ سے انتہائی محبت تھی۔ان کی بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح فدویت کی کیفیت تھی۔

## حضرت سعدؓ بن معاذ کا تورات کے مطابق فیصلہ

حضرت سعدؓ بن معاذ ایک ڈولی میں بنو قریظہ کی بستی میں لائے گئے۔حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا وہ عین یہود کی شریعت کے مطابق تھا، کہ بنو قریظہ کے تمام جنگ کے قابل مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کی تمام

املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ اس فیصلے میں یہ مصلحت بھی ہوگی کہ حضرت سعدؓ اس غزوہ میں دیکھ چکے تھے کہ بنوقینقاع اور بنونضیر کو مدینہ سے نکل جانے دیا گیا تو وہ گرد و پیش کے سارے قبائل کو بھڑکا کر قریش کی سرکردگی میں تقریباً بارہ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑے تھے۔ چنانچہ حیاتِ طیبہ کے دوران اجتماعی قتل اور سخت ترین سزا کا یہی ایک واقعہ ہوا ہے جو بنوقریظہ کے ساتھ ہوا۔ اگر یہ نبی اکرم ﷺ کو حَکَم تسلیم کر لیتے جو انتہائی رؤف اور رحیم تھے تو وہ شاید اس انجامِ بد سے بچ جاتے' لیکن مشیتِ الٰہی یہی تھی' اس لئے ان کی مت ماری گئی اور انہوں نے حضور ﷺ پر عدم اعتماد کیا ـــــ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں' حضرت سعدؓ بن معاذ نے یہ فیصلہ عین تورات کے مطابق کیا تھا۔ بنوقریظہ اسی انجام کے مستوجب تھے' کیونکہ انہوں نے اس وقت جبکہ مسلمانوں کے لئے انتہائی کٹھن وقت تھا' عقب سے مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ جب مسلمان بنوقریظہ کی گڑھیوں میں داخل ہوئے تو ان کو پتہ چلا کہ جنگ احزاب میں حصہ لینے کے لئے ان غداروں نے ۱۵ سو تلواریں' تین سو زرہیں' دو ہزار نیزے اور ۱۵ سو ڈھالیں جمع کر رکھی تھیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی تائید شاملِ حال نہ ہوتی تو ایک طرف مشرکین یکبارگی خندق عبور کر کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑتے اور دوسری طرف یہ سارا جنگی سامان عین عقب سے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بنوقریظہ استعمال کرتے۔

## غزوۂ بنوقریظہ پر قرآن کا تبصرہ

زیرِ درس رکوع کی بقیہ دو آیات کا تعلق اسی بنوقریظہ کے واقعہ سے ہے' اس لئے میں نے قدرے تفصیل سے صورت حال واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو ان آیات کے پس منظر سے براہِ راست متعلق ہے۔ اب ان آیات کا مطالعہ کیجئے۔ فرمایا:

﴿وَاَنۡزَلَ الَّذِیۡنَ ظَاہَرُوۡہُمۡ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ صَیَاصِیۡہِمۡ وَقَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الرُّعۡبَ فَرِیۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ وَتَاۡسِرُوۡنَ فَرِیۡقًا ﴿﴾

''اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا (یعنی

بنو قریظہ ) تو اللہ ان کی گڑھیوں سے انہیں اتار لایا اور ان کے دلوں میں اُس نے ایسا رعب ڈال دیا کہ ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے کو قید کر رہے ہو۔"

بنو قریظہ پہلے تو محاصرے کی حالت میں اپنے قلعوں پر چڑھے رہے لیکن دو تین ہفتوں سے زیادہ سہار نہ سکے اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار لایا۔ یہاں **ظَاهَرُوْهُمْ** کا لفظ قابل توجہ ہے۔ اس کی اصل ظھر ہے۔ باب مفاعلہ میں اس سے **مظاهرة** بنتا ہے۔ ظھر پیٹھ کو کہتے ہیں۔ پچھلے زمانے میں آخری مقابلہ پیٹھ سے پیٹھ جوڑ کر ہوتا تھا۔ اگر کوئی چھوٹی سی نفری کسی بڑی نفری کے گھیرے میں آ جاتی تھی تو چھوٹی نفری والے باہم پیٹھ سے پیٹھ جوڑ کر لڑا کرتے تھے۔ اس طرح اس کا مفہوم ہو گا کسی مقصد کے غلبہ کے لئے یک جان ہو کر کام کرنا ——— اس لئے میں نے اس آیت کی ترجمانی میں "حملہ آوروں کا ساتھ دینا" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ "**صیص**" کی لغوی بحث کو بھی سمجھ لیجئے۔ صیص مرغ کے پنجے کو کہتے ہیں' اس کی جمع "**صیاصی**" ہے۔ چونکہ مرغ اپنے پنجوں سے دفاع کرتا ہے' لہٰذا عرب اس لفظ کو استعارتاً دفاعی قلعوں اور گڑھیوں کے لئے استعمال کرنے لگے ——— بنو قریظہ نہ تو حملہ آوروں کا ساتھ دے سکے اور نہ ان کے قلعے ان کو پناہ دے سکے اور وہ ان سے نیچے اترنے اور باہر نکل کر خود کو نبی اکرم ﷺ کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گئے۔

اللہ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گئے۔ آپ غور کیجئے کہ اگر وہ دوبدو لڑنے کا فیصلہ کرتے تو ان کے جو چھ سات سو مرد قتل ہوئے تھے یہ سو دو سو مسلمانوں کو بھی شہید کر سکتے تھے۔ انہوں نے جو ساز و سامان جمع کر رکھا تھا' اس کی تفصیل میں بیان کر چکا ہوں' لیکن اسلحہ استعمال کرنے کے لئے ہمت اور جوش و ولولہ درکار ہوتا ہے۔ جب کسی قوم کو "**وھن**" کی بیماری لگ جاتی ہے' یعنی حُبِّ دُنیا اور موت کا خوف' تو یہ حال بھی ہوتا ہے کہ میزائل تک دھرے رہ جاتے ہیں اور فوج کو ان کے بٹن دبانے کی جرأت نہیں ہوتی اور وہ جان

بچانے کے لئے اپنی جوتیاں چھوڑ کر بھاگ جاتی ہے۔ یہ معاملہ کئی مواقع پر مسلمانوں کے ساتھ بھی ہو چکا ہے۔ صحرائے سینا سے مصری فوج اسرائیل کے حملے کے وقت بھاگ گئی تھی۔ اسی طرح فتنہ تاتار کے دور میں جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا تو تاریخ بتاتی ہے کہ بغداد کے بازاروں میں سو مسلمان کھڑے ہوتے تھے اور ایک تاتاری آ کر ان سے کہتا تھا کہ میرے پاس اس وقت تلوار نہیں ہے' میں یہ لے کر آتا ہوں' خبردار! کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے ــــــ اور وہ تلوار لے کر آتا تھا اور ایک ایک کی گردن مارتا تھا اور کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ اس کا ہاتھ پکڑ لے۔ بنوقریظہ میں جرأت و ہمت ہوتی تو حضرت سعدؓ کے فیصلے کے بعد بھی یہ کر سکتے تھے کہ یکبارگی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں کہ ہمیں تو مرنا ہی ہے' سو پچاس کو ساتھ لے کر مریں گے' لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہو گئے۔ ان کے مرد قتل کئے گئے اور ان کی عورتیں' بچے اور بچیاں غلام اور لونڈیاں بنائی گئیں۔

اس پوری صورت حال پر صرف ایک آیت میں تبصرہ فرما دیا گیا:

﴿وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝﴾

''اور اللہ نے تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ تمہیں دے دیا جسے تم نے پامال نہیں کیا تھا' اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

بنوقریظہ ایک بڑا یہودی قبیلہ تھا' بہت مالدار اور سرمایہ دار ــــــ ان کے بڑے بڑے باغات اور بڑی بڑی حویلیاں تھیں' بے شمار مال و متاع تھا ــــــ یہ پورا علاقہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بغیر لڑے بھڑے عطا کر دیا۔ جنگ تو ہوئی ہی نہیں۔ صرف محاصرے کے نتیجے میں یہ سب کچھ ہاتھ آ گیا۔ اس زمین پر گھوڑے دوڑے ہی نہیں کہ وہ پامال ہوتی۔

اس رکوع کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ مبارکہ پر ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝﴾ اور واقعہ یہ ہے کہ اس مضمون کا اس سے جامع اختتام ممکن ہی نہیں تھا۔ غزوۂ

احزاب کی پوری صورتِ واقعہ اور بنوقریظہ کا خاتمہ' یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ مطلقہ کی شان کے مظاہر ہی تو تھے۔ سورۃ یوسف میں فرمایا: ﴿وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اللہ غالب ہے' وہ اپنا کام کر کے رہتا ہے' لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔'' اگر لوگوں کو یہ یقین قلبی ہو جائے تو اسی سے مانگیں' اسی سے جڑیں' اسی کے دامن سے وابستہ ہو جائیں۔ انہیں تو ان وسائل اور اسباب پر یقین وتوکل ہوتا ہے جو ان کی دسترس میں ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَلزَّھَادَۃُ فِی الدُّنْیَا لَیْسَتْ بِتَحْرِیْمِ الْحَلَالِ وَلَا اِضَاعَۃِ الْمَالِ وَلٰکِنَّ الزَّھَادَۃَ فِی الدُّنْیَا اَنْ لَّا تَکُوْنَ بِمَا فِیْ یَدَیْکَ اَوْثَقَ مِمَّا فِیْ یَدَیِ اللّٰہِ))(سنن الترمذی' کتاب الزھد)

''دنیا میں زہد اس چیز کا نام نہیں ہے کہ تم حلال کو اپنے اوپر حرام کر لو اور مال کو ضائع کرو' بلکہ دراصل زہد یہ ہے کہ اللہ پر تمہارا اعتماد وتوکل اس سے زیادہ ہو جو تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے''۔

اگر تم اپنے وسائل' اپنے ذرائع' اپنی صلاحیتوں' اپنی ذہانت اور اپنی قوت کو مقدم رکھو گے اور ان پر تکیہ کرو گے تو تم کو زہد چھو کر بھی نہیں گیا۔ لیکن اگر تم کو اللہ کی توفیق' اللہ کی تائید' اللہ کی نصرت اور اللہ کی قدرت پر ہی اعتماد وتوکل اور بھروسہ ہو جائے تو یہ اصل زہد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ ہم نے آج اس رکوع کا مطالعہ ختم کر لیا۔ جیسا کہ میں نے ابتدا ہی میں عرض کیا تھا کہ ہم اس رکوع کے مطالعہ کے بعد نبی اکرم ﷺ کی سیرت مطہرہ کی روشنی میں آپؐ کے اُس ''اُسوہ حسنہ'' کو مجموعی طور پر سمجھنے کی کوشش کریں گے جو غزوۂ احزاب کے پس منظر میں اس رکوع میں بیان ہوا ہے۔ پورے قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے ''اسوۂ حسنہ'' کا تذکرہ اسی ایک مقام پر کیا گیا ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ شخصی طور پر تو نبی اکرم ﷺ پر خود آپؐ کے ارشاد کے مطابق سب سے سخت دن ''یوم طائف'' گزرا ہے' لیکن بحیثیت مجموعی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت پر سب سے زیادہ ابتلاء وآزمائش کا مرحلہ یہ

غزوۂ احزاب ہے' جس میں جانی نقصان تو اگرچہ بہت کم ہوا لیکن اس محاصرے کے دوران' جو تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو جن شدائد و مصائب اور تکالیف سے سابقہ پیش آیا ان کو بجا طور پر ابتلاء کا نقطۂ عروج کہا جا سکتا ہے۔ اس کی شہادت خود اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ دی ہے: ﴿هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِيْدًا ۞﴾

آج کا یہ درس ان لوگوں کے لئے انتہائی سبق آموز ہے جو بفضلہٖ تعالیٰ شعوری طور پر یہ بات جان چکے ہیں کہ اعلائے کلمۃ اللہ' اظہار دین الحق اور اقامت دین' نبی اکرم ﷺ کے ہر امتی پر فرض ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ اپنی تقریر میں حضور ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کے مختلف پہلو اجاگر کروں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے اتباع اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ


جدید تعلیم یافتہ افراد کے لئے نادر موقع

**پندرہ (15) روزہ رہائشی فہم دین کورس**

ہفتہ 26 جون 2004ء تا اتوار 11 جولائی 2004ء

اخراجات طعام: 3,000 روپے کے ڈرافٹ (بنام الفوز اکیڈمی) کے ساتھ رجسٹریشن کیجئے

نہایت کم وقت میں قرآنی عربی سیکھنے کا نادر موقع

**بیس (20) روزہ رہائشی قرآنی عربی کورس**

ہفتہ 24 جولائی تا ہفتہ 14 راگست 2004ء

اخراجات طعام: 4,000 روپے کے ڈرافٹ (بنام الفوز اکیڈمی) کے ساتھ رجسٹریشن کیجئے

بمقام: الفوز اکیڈمی E-11/4 اسلام آباد

فون: 051-210-6783، 051-225-1993 فیکس: 051-210-6366

پتہ برائے رابطہ: 317 'سٹریٹ نمبر 16 'F-10/2 اسلام آباد

# عروج وزوالِ اُمت

## قرآن مجید کی روشنی میں

تحریر: سید حسنین عباس گردیزی

قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے۔اس میں بہت سارے موضوعات پر گفتگو اور بحث کی گئی ہے۔ان موضوعات میں سے ایک اہم موضوع گزشتہ اقوام اور معاشروں کے حالات ہیں۔قرآن حکیم کا ایک بڑا حصہ گزشتہ معاشروں اور قوموں کی داستان اور واقعات پر مشتمل ہے۔اس موضوع پر قرآن نے واقعات اور سرگزشتوں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اقوام کی ترقی اور زوال کے اصول وقوانین بھی بیان کئے ہیں جو اپنے اندر آئندہ اقوام اور معاشروں کے لئے ہدایت کا عنصر لئے ہوئے ہیں۔قرآن حکیم نے ان اصول وقوانین کے لئے ''سنت'' یا ''سنن'' کی تعبیر استعمال کی ہے۔

''سنن'' سنت کی جمع ہے۔لغت میں اس کا معنی روش' طریقہ' اسلوب' طبیعت اور شریعت بیان کیا گیا ہے۔مفسرین نے بھی لغوی معنی سے ہم آہنگ معنی مراد لئے ہیں۔علامہ طباطبائی تفسیر المیزان میں سنت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

السنن جمع سنة وهی الطريقة المسلوكة فی المجتمع

''سنن سنت کی جمع ہے اور اس سے مراد معاشرے کا وہ طریقہ کار ہے جس پر وہ چلتا ہے''۔

ایک اور مقام پر وہ لکھتے ہیں:

والسنة هی الطريقة والسيرة [1]

یعنی سنت معمول اور رائج طریقے کو کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں دس سورتوں کی گیارہ آیات میں سولہ (۱۶) مرتبہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔اور اس سے مراد انسان اور انسانی معاشرے کے متعلق خالق کائنات کی تبدیل نہ ہونے

(۱) تفسیر المیزان' ج ٤' ص ۳۱

والی دائمی روش اور طریقہ کار ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾ (آل عمران:۱۳۷)

''تم سے پہلے کچھ سنتیں گزر چکی ہیں۔ اب تم زمین میں گھوم پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔''

قرآن مجید ان سنتوں میں تغیر وتبدل کے امکان کو رد کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۞ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ (الفتح:۲۲'۲۳)

''اور اگر یہ کفار تم سے جنگ کرتے تو یقیناً مُنہ پھیر کر بھاگ جاتے اور پھر انہیں کوئی سرپرست اور مددگار نصیب نہ ہوتا۔ یہ اللہ کی ایک سنت ہے جو پہلے بھی گزر چکی ہے اور تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔''

قرآن مجید میں ان سنن کی ایک خاصیت ان کا عمومی اور بین الاقوامی ہونا بیان ہوئی ہے:

﴿سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ (الاحزاب:٦٢)

''یہ خدائی سنت اُن لوگوں کے بارے میں رہ چکی ہے جو گزر چکے ہیں' اور تم الٰہی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔''

اسی آیت سے ان اصول وقوانین (سنن) کا دائمی ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ ان اصول وقوانین کی نسبت قرآن ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف دیتا ہے۔ اس رو سے انہیں سنن الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

## اُمت کے لئے حیات اور موت کا تصور

قرآن کی نظر میں ایک فرد کی طرح ہر اُمت اور معاشرے کی زندگی کے مختلف مراحل ہیں' ہر ایک کا انجام مشخص ومعین ہے' دوران اور مدت معلوم ہے' اس کا دوام اور بقاء بھی معلوم ہے اور اس کے کردار اور خصوصی نامہ اعمال کا بھی ایک معیار ہے۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد آخر کار اس کی بساطِ زندگی لپیٹ دی جاتی ہے اور وہ قصہ پارینہ بن جاتا ہے۔

قرآن مجید متعدد آیات میں قوموں کی حیات اور موت کا ذکر کرتا ہے۔ قرآن اس

سنت الٰہی کو بیان کرتا ہے کہ ہر اُمت اور ملت کے لئے ایک خاص پروگرام ہے جس میں اس کا مطلوب یا نامطلوب کردار' اس کی زندگی کی مدت اور موت کا وقت' اسی طرح اس کے زوال کے اسباب مندرج ہیں جس کا علم پروردگار عالم کے پاس ہے۔

﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۝﴾ (الاعراف:٣٤)

''ہر قوم کے لئے ایک مدت معین ہے۔ جب بھی ان کا وقتِ معین آئے گا (یعنی جب ان کی مدت ختم ہو جائے گی) تو اس سے وہ لوگ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے۔''

﴿وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ۝﴾ (الحجر:٤'٥)

''اور ہم نے کسی بستی والوں کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لئے ایک میعاد مقرر کردی تھی۔ کوئی اُمت اپنے وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔''

﴿وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا۝﴾ (بنی اسراء یل:٥٨)

''اور کوئی (نافرمان) آبادی ایسی نہیں ہے جسے ہم قیامت سے پہلے برباد نہ کردیں یا اُس پر شدید عذاب نہ نازل کردیں کہ یہ بات کتاب میں لکھ دی گئی ہے۔''

## اُمتوں کا عروج وزوال

اقوامِ عالم اور انسانی معاشروں سے متعلق دوسری خصوصیات جسے قرآن مجید نے بیان کیا ہے وہ ان کا عروج وزوال ہے۔ ہر قوم اور اُمت کے لئے ایک عروج ہے اور پھر اسے زوال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سنت الٰہی کو یوں پیش کیا گیا ہے:

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

الظّٰلِمِيْنَ ﴿ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾

(آل عمران:۱۳۷۔۱۴۱)

''تم سے پہلے روشیں گزر چکی ہیں' اب تم زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ یہ عام انسانوں کے لئے بیانِ حقائق ہے اور صاحبانِ تقویٰ کے لئے ہدایت و نصیحت ہے۔ آگاہ رہو تم سستی اختیار نہ کرنا' مصائب پر محزون نہ ہونا' اگر تم صاحب ایمان ہو تو سر بلندی تمہارے ہی لئے ہے۔ اگر تمہیں کوئی تکلیف چھو لیتی ہے تو (مدمقابل) قوم کو بھی اس سے پہلے ایسی ہی تکلیف پہنچ چکی ہے' اور ہم تو زمانے کو لوگوں کے درمیان اُلٹ پلٹ کرتے رہتے ہیں تا کہ اللہ صاحبانِ ایمان کو دیکھ لے اور تم میں سے بعض کو شہداء قرار دے' اور وہ ظالمین کو دوست نہیں رکھتا ہے۔ اور اللہ صاحبانِ ایمان کو چھانٹ کر الگ کر دینا چاہتا ہے اور کافروں کو مٹا دینا چاہتا ہے۔''

اسی طرح سورۃ یونس کی آیت ۱۳ و ۱۴ اور سورۃ ابراہیم کی آیت ۱۴ میں اسی مطلب کو واضح کیا گیا ہے۔

## عروج و زوال کے عوامل

قرآن مجید اُمتوں کی عزت و سربلندی اور ذلت و پستی کے حقیقی علل و اسباب کو بیان کرتا ہے۔ قرآن ہماری اس طرف راہنمائی کرتا ہے کہ ان علل و اسباب کو تلاش کرنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ تم آسمانوں اور زمین میں ان کا کھوج لگاؤ' انہیں قدرت اور طبیعت عالم میں تلاش کرو' بلکہ انہیں اپنے اندر ڈھونڈو' ان کی اپنے درمیان جستجو کرو' تم انہیں اپنے فکر و نظر' عقیدے' اخلاقی اور معاشرتی نظام کی بنیادوں میں تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ تم اپنی ان چیزوں میں غور و فکر کرو۔

وہ قومیں جنہوں نے تفکر و تدبر کو بروئے کار لایا' اخوت و برادری اور اتحاد کا دامن تھاما' اپنی اصلاح کے لئے پختہ عزم و ارادے سے کوشش کی وہ ترقی کی بلندیوں پر پہنچیں' اور جب تلاش و کوشش کی جگہ سستی اور جمود نے لے لی' جب غفلت اور جہالت علم و آگہی کی جاگزیں ہوئی' پاکیزگی اور تقویٰ کے مقام پر آلودگیاں اور برائیاں آ گئیں' تفرقہ اور گروہ بندی نے اتحاد و اخوت کو پارہ پارہ کر دیا تو اس صورت حال میں فکر و نظر' اعمال اور رویوں میں اس نامطلوب تبدیلی کا نتیجہ شکست و انحطاط کی صورت میں نکلا۔

قرآن ایک کلی قانون اور اصول بیان کرتا ہے جو اقوامِ عالم اور انسانی معاشرے کے متعلق اسلام کی نظر اور رائے کو واضح کرتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے کہ تمہاری تقدیر ہر عامل سے پہلے خود تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ اُمتوں میں ہر قسم کی ترقی اور زوال' معاشروں کی عظمت و ذلت پہلے مرحلے میں خود ان کی طرف لوٹتی ہے۔ بخت' اقبال' اتفاقات' حادثات' ملکی حالات اور اس طرح کی دیگر چیزیں معاشروں کے عروج وزوال میں ذرا بھی مؤثر نہیں ہیں۔ ان میں کوئی امر بھی اُمتوں کی ترقی و زوال کی بنیاد نہیں بنتا۔ یہ خود اُمت اور معاشرہ ہے جو اپنی خوشحالی' خوش بختی اور ترقی و عروج کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے یا وہ اپنی ہلاکت اور تباہی کو دعوت دیتا ہے اور اس کے اسباب مہیا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ لطف الٰہی اور عذابِ الٰہی بھی معاشروں اور اقوام کے حالات کو مدنظر رکھے بغیر نہیں ہوتا۔ یہ معاشروں اور اقوام کے اپنے ارادے اور خواہشات ہیں اور ان کے اندر ہونے والی پسندیدہ و ناپسندیدہ تبدیلیاں ہیں جو انہیں رحمت ولطف الٰہی یا عذابِ الٰہی کا مستحق بنا دیتی ہیں۔

قرآن حکیم مختلف عنوانات اور مختلف مناسبتوں سے اس سنت کو بیان فرماتا ہے کہ معاشرتی تبدیلیاں اور اجتماعی انقلاب' افراد اور معاشروں کی اندرونی تبدیلیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اس دائمی سنت کو متعدد آیات میں موضوعِ سخن قرار دیا گیا ہے' جنہیں چند ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

## (ا) انقلاب اپنے اندر سے:

قرآنی آیات کا ایک حصہ اس حقیقت کی طرف ہماری راہنمائی کرتا ہے کہ اگر قومیں اور اُمتیں اپنے حالات کو بدلنا چاہتی ہیں' اپنے اندر اجتماعی سطح پر بہتری اور ترقی کی خواہاں ہیں تو انہیں اِدھر اُدھر نہیں دیکھنا چاہیے' انہیں بیرونی امداد پر امیدیں وابستہ نہیں کرنی چاہئیں' ان کی نظریں بیرونی دنیا پر نہیں ہونی چاہئیں' بلکہ انہیں تبدیلی کا آغاز اپنے آپ سے کرنا چاہیے' اپنی اندرونی حالت کو بدلنا چاہیے' کیونکہ ہر قسم کی اجتماعی تبدیلی' اندرونی تبدیلیوں کی مرہونِ منت ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ﴾ (الرعد: ۱۱)

''بے شک اللہ کسی قوم کے حالات اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی پیدا نہ کرے۔''

دوسرے مقام پر قرآن کریم فرعونیوں کے اوجِ قدرت اور شان وشوکت کے بعد عبرتناک زوال کوذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۞﴾ (الانفال:۵۲،۵۳)

''(مشرکین کے) اس گروہ کی حالت آل فرعون اور ان سے پہلے والوں کی طرح ہے۔ انہوں نے آیاتِ الٰہیہ کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے گناہوں کے سبب گرفت میں لے لیا کہ اللہ قوی بھی ہے اور سخت عذاب دینے والا بھی۔ یہ اس لئے کہ اللہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت کو اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے تئیں بدل نہ دیں۔ بے شک اللہ سننے والا بھی ہے اور جاننے والا بھی ہے۔''

## (۲) عمل اور ردِّ عمل:

آیات کی یہ قسم اس واقعیت سے پردہ اٹھاتی ہے کہ ہر اُمت اور معاشرے کی سعادت یا ہلاکت ان کے شائستہ یا نامناسب عمل وکردار کا نتیجہ ہے۔ اس سعادت اور ہلاکت کی بازگشت قوانین وسنن الٰہی کی روشنی میں خود انہی کے کردار وعمل کی طرف ہوتی ہے۔ سعادت و خوش بختی اور اسی طرح ذلت و رسوائی اور ہلاکت وتباہی ان کے اعمال کا ردِّ عمل ہے اور یہ ایک کلی اصول ہے جو تمام معاشروں اور اقوام کے درمیان کارفرما ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ﴾ (بنی اسراء یل:۷)

''اگر تم نیک عمل کرو گے تو اپنے لئے' اور برا کرو گے تو بھی اپنے لئے''۔

﴿عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ﴾ (بنی اسراء یل:۸)

''اُمید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں بخش دے' لیکن اگر تم نے دوبارہ خرابی کی تو ہم پھر سزا دیں گے۔''

﴿مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ۞﴾

(الروم:۴۴)

''جو کفر کرے گا وہ اپنے کفر کا ذمہ دار ہوگا' اور جو نیک عمل کرے گا وہ اپنے لئے راہ

ہموار کرے گا۔"

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا﴾ (حم السجدة:٤٦)

"جو بھی نیک عمل کرے گا وہ اپنے لئے کرے گا' اور جو برا کرے گا اس کا وبال اسی پر ہوگا۔"

﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ﴾ (الزمر:١٠)

"کہہ دیجئے کہ اے میرے ایماندار بندو! اپنے پروردگار کا تقویٰ اختیار کرو۔ جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے اچھائی ہے۔"

## (۳) انسانی اعمال کے مقابلے میں عالم طبیعیت کا ردِّ عمل:

آیات کا یہ حصہ جہاں عالم طبیعیت کے اجزاء و ذرات کے خصوصی شعور و ادراک پر دلالت کرتا ہے وہاں انسان اور عالمِ طبیعیت کے درمیان ایک خاص قسم کے رابطے کی نشاندہی کرتا ہے اور اس ربط کو ایک سنت الٰہی کے طور پر متعارف کراتا ہے۔ ارشادِ پروردگار ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝﴾ (الاعراف:٩٦)

"اور اگر اہل قریہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم اُن کے لئے زمین اور آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے' لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے انہیں ان کے اعمال کی گرفت میں لے لیا۔"

﴿وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا۝﴾ (الجن:١٦)

"اور اگر یہ سب لوگ ہدایت کے راستے پر ہوتے تو ہم انہیں وافر پانی سے سیراب کرتے۔"

## (۴) ہر اُمت اور معاشرہ اپنے عمل کا گروی ہے:

اس حقیقت کو قرآن نے "عمل" "کسب" اور "سعی" وغیرہ کے الفاظ سے واضح کیا ہے:

﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ﴾

(البقرة:١٣٤و١٤١)

''یہ قوم تھی جو گزر گئی انہیں وہ ملے گا جو انہوں نے کمایا اور تمہیں وہ ملے گا جو تم کماؤ گے۔''

﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝﴾
(الانعام:۱۲۹)

''اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو ان کے اعمال کی بنا پر بعض پر مسلط کر دیتے ہیں۔''

﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۝﴾ (النجم:۳۹)

''اور انسان کے لئے اتنا ہی ہے جتنی اس نے کوشش کی۔''

## (۵) فلاح ونجات تزکیہ اور تعمیر کردار میں ہے:

آیات کی پانچویں قسم یہ اصول بیان کرتی ہے کہ ہر فرد اور قوم کی دنیا و آخرت میں فلاح ونجات اقدار کی پاسداری اور اس کے متضاد امور سے پاکیزگی اور طہارت میں مضمر ہے۔ دلوں کی پاکیزگی' نفوس کی طہارت' نظریات وافکار کی پاکیزگی' گفتار و کردار کا طاہر ہونا ہی کامیابی کا ضامن ہے۔ اسی صورت میں کوئی معاشرہ اور قوم ترقی کی منازل کی جانب بڑھ سکتی ہے' بہتری اور خوشحالی اس کا مقدر بن سکتی ہے اور اسے بقا و دوام حاصل ہو سکتا ہے۔ انبیاءِ الٰہی کا عظیم فریضہ افراد اور معاشرہ کو ہر قسم کی آلودگیوں اور پلیدگیوں سے پاک کرنا اور انہیں طاہر بنانا ہے۔ اس مطلب کو قرآن مجید نے مختلف مقامات پر بیان فرمایا۔ مثلاً:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۝﴾ (الشمس:۹'۱۰)

''بے شک وہ کامیاب ہو گیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنا لیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اسے آلودہ کر دیا۔''

اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ہلاکت اور ذلت وخواری ان کا مقدر ہو گی۔ اس حقیقت کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ۝﴾ (الروم:۴۱'۴۲)

''لوگوں کے اعمال کے باعث فساد خشکی اور تری ہر جگہ غالب آ گیا' تاکہ خدا انہیں ان کے کچھ اعمال کا مزا چکھا دے' شاید یہ لوگ راستے پر پلٹ آئیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ذرا زمین میں گھوم پھر کر دیکھو کہ تم سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا' جن کی اکثریت مشرک تھی۔''

## اُمتوں کے انحطاط اور ترقی کے عوامل

اُمتوں کا انحطاط اور ترقی پہلے مرحلے پر اُن کے خالق کائنات کے ساتھ ارتباط کی کیفیت پر انحصار کرتے ہیں۔ اگر کسی اُمت نے اپنے پروردگار کی صحیح معرفت حاصل کی' فکرو نظر اور عملی لحاظ سے اس پر ایمان لے آئی اور صراطِ مستقیم کو اپنے لئے منتخب کیا اور تقویٰ کو اپنا شعار بنایا تو ایسی اُمت یقیناً ترقی کرے گی۔ لیکن اگر معرفت و ایمان اور اخلاص وطہارت کی بجائے اس نے کفر و شرک کی راہ اختیار کی' عناد و تعصب کی بنا پر حق کا انکار کیا اور آیاتِ الٰہی کے مقابلے پر سرکشی کی تو زوال وسقوط اس کا مقدر ہوگا۔

قرآن اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ وحی کی تکذیب' ہٹ دھرمی اور عناد کی بنا پر کفر اختیار کرنا' آیاتِ الٰہی کے سامنے متکبرانہ رویہ اپنانا اور ان کے مقابلے میں سرکشی کرنا' حق سے روگردانی' معبودِ حقیقی اور یکتا کے علاوہ سرپرست اور معبود بنانا' مشرکانہ عقائد رکھنا اور عملی طور پر شرک کرنا' پیغمبروں کی تحریک اور تعلیمات کے سامنے سرکشی اور ان کے خلاف ڈٹ جانا' عصیان' گناہ اور برائیوں کا رواج اور ہوا پرستی' یہ سب اُمتوں اور معاشروں کے انحطاط کے موجب ہیں۔ اب ان عنوانات کے بارے میں قرآن کی چند آیات بیان کی جاتی ہیں:

### (۱) تکذیب آیات:

آیاتِ قرآنی کا ایک حصہ تکذیب آیات' عناد و تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کفر کا راستہ اختیار کرنے کو انحطاط و تنزل کا سبب قرار دیتا ہے۔ ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿ذٰلِکَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ۞ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاَنْفُسَھُمْ کَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ۞﴾ (الاعراف:۱۷۶'۱۷۷)

''یہ اُس قوم کی مثال ہے جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی' پس آپ ان قصوں کو بیان کریں شاید یہ غور وفکر کرنے لگیں۔ کس قدر بری مثال ہے اس قوم کی جس نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور وہ لوگ اپنے ہی نفس پر ظلم کررہے تھے۔''

سورۃ القمر میں بعض اُمتوں اور ان کے پیغمبروں کے حالات اور اُمتوں کی طرف سے ان کی تکذیب اور اس کے نتیجے میں ان کے عبرتناک انجام کو بڑی صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً:

﴿كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۞ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۞﴾ (القمر:۱۸'۱۹)

''قومِ عاد نے جھٹلایا تو ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا رہا۔ ہم نے ان پر تند و تیز آندھی بھیج دی ایک مسلسل نحوست والے دن میں۔''

## (۲) وہ آیات جو قرآن کے سامنے متکبرانہ رویوں کو زوال کا عامل گردانتی ہیں:

﴿وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ ۣ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۞ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ﴾ (العنکبوت:۳۹'۴۰)

''اور قارون و فرعون و ہامان کو بھی یاد کرو' جن کے پاس موسیٰ کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے تو ان لوگوں نے زمین میں استکبار سے کام لیا' حالانکہ وہ ہم سے آگے بڑھ جانے والے نہ تھے۔ پھر ہم نے ہر ایک کو اُس کے گناہ میں گرفتار کر لیا......''

## (۳) غیر خدا کو اپنا سرپرست اور ولی بنانا:

قرآن مجید سورۃ العنکبوت میں بعض سرکش اور نافرمان اُمتوں کے دردناک اور افسوس ناک انجام کو بیان کرنے کے بعد ایک خوبصورت اور عبرت آموز مثال کے ذریعے ایک کلی اصول بیان کرتا ہے کہ جو اُمت اور گروہ خدائے واحد کے علاوہ کسی اور کو اپنا ولی اور سرپرست مانے گا درحقیقت اس نے کمزور ترین سہارا ڈھونڈا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَّاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۞ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۞﴾ (العنکبوت:۴۱۔۴۳)

''وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا اپنے سرپرست بنائے وہ مکڑی کی طرح ہیں جس نے گھر بنایا' اور کمزور ترین گھر مکڑی کا ہے' کاش وہ جانتے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس چیز کو وہ پوجتے ہیں اس کو چھوڑ کر' اور وہی سب پر غالب' حکمت والا ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے دیتے ہیں' اور ان میں غور و فکر نہیں کرتے مگر علماء۔''

## (۴) بنیادی ترین عامل ''ظلم'' ہے:

عدل و انصاف کے راستے سے انحراف اور ظلم و ستم کا ارتکاب اُمتوں کے زوال اور

ہلاکت کا بنیادی ترین عامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس حکیمانہ سنت کی تائید گہرے عقلی اور معاشرتی اصولوں کے ساتھ ساتھ تاریخی تجربات اور واقعات بھی کرتے ہیں۔ قرآن کی بہت سی آیات اس حقیقت کو روشن کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مثلاً:

﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ۝﴾ (یونس:۱۳)

''بالتحقیق ہم تم سے پہلے کئی اُمتوں کو جب انہوں نے ظلم کیا' ہلاکت سے دوچار کر چکے ہیں۔ ان کے پاس روشن دلائل کے ساتھ ان کے رسول آئے اور وہ ایمان نہیں لائے۔ ہم اسی طرح مجرم قوم کو سزا دیا کرتے ہیں۔''

﴿وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۝﴾ (الانبیاء:۱۱)

''ہم نے کتنے شہروں اور آبادیوں کو اُن کے ظلم کی بنا پر تباہ و برباد کیا اور ان کے بعد دوسری قوم کو وہاں آباد کیا۔''

﴿وَمَا كُنَّا مُهْلِكِى الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ۝﴾ (القصص:۵۹)

''ہم نے کسی شہر اور آبادی کو نابود نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے باسی ظالم اور ستم گر تھے۔''

اسی طرح قرآن مجید کی دیگر متعدد آیات اقوام عالم کے ظلم و ستم اور ان کے عدل و انصاف کو پامال کرنے کو اُن کی ہلاکت اور نابودی کا عامل بتاتی ہیں۔[1]

## (۵) اجتماعی فریضے دعوت حق کا انجام نہ دینا اور اعلیٰ انسانی اقدار کی ترویج نہ کرنا اور ان کے متضاد امور کے خلاف جہاد نہ کرنا:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک اجتماعی فریضہ ہے۔ اس کے ذریعے سے فرائض الٰہی قائم ہوتے ہیں' برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے' اعلیٰ انسانی اقدار کی ترویج ہوتی ہے اور انسانیت کے خلاف اور معاشروں کی تعمیر و ترقی میں رکاوٹ بننے والے امور کی روک تھام ہوتی ہے۔ قرآن مجید پیغمبر اکرم ﷺ کی عظمت اور شخصیت کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ

(۱) مثلاً: الحج:۴۵' ھود:۱۱۷' الکھف:۵۹' الاعراف:۴'۵

عَلَيْهِمْ ؕ﴾(الاعراف:۱۵۷)

''یہ نبی انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے' برائی سے روکتا ہے' پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال قرار دیتا ہے' ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور وہ ان کے کاندھوں سے بوجھ ہلکا کرتا ہے اور ان تمام طوق وزنجیروں سے انہیں رہائی دلاتا ہے جنہوں نے ان (کے جسم اور فکر) کو جکڑ دیا تھا۔''

قرآن ''بہترین اُمت'' کے عنوان سے ایسی اُمت کا تعارف کراتا ہے جو ہمیشہ اپنی اصلاح وخودسازی کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح وبھلائی کے لئے حق کی دعوت دیتی ہے' اچھائیوں کا حکم دیتی ہے اور غیر انسانی اقدار کو معاشرے میں پھیلنے سے روکتی ہے اور پلیدگیوں اور گناہوں کے خلاف اچھے انداز میں جہاد کرتی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ﴾ (آل عمران:۱۱۰)

''تم ایک بہترین اُمت ہو جو لوگوں کو معروف کا حکم دیتے ہو اور منکرات سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

آخر کار حقیقی کامیابی اور فلاح ان لوگوں کو حاصل ہوگی جو معاشرے میں نماز کو برپا کریں گے' لوگوں کے مالی حقوق ادا کریں گے اور معاشرے سے برائیوں کا خاتمہ کریں گے اور نیکیوں کو رواج دیں گے۔ ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۞﴾ (الحج:۴۱)

''وہ لوگ ایسے ہیں کہ انہیں جب زمین پر صاحب اقتدار بنایا گیا تو انہوں نے نماز قائم کی' زکوٰۃ ادا کی' نیکی کا حکم دیا اور بدی سے روکا' اور ہر چیز کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہی ہے۔''

## (۶) تفرقہ اور اختلاف:

ایک قوم اور معاشرے کے لئے بدترین آفت اختلاف اور تفرقہ ہے۔ قرآن مجید نے اپنی متعدد آیات میں اتحاد اور وحدت کی دعوت دیتے ہوئے اور اختلاف وانتشار کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے ضمناً اس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ لڑائی جھگڑا' جدائی اور افتراق معاشرے کے زوال کا سبب ہے۔ اس بلا کی وجہ سے افراد اور اُمت کی توانائیاں

رائیگاں ہوتی ہیں اوران سے کوئی مثبت فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔قرآن فرماتا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۰۳)

''سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑو اور یاد کرو اللہ نے جو نعمت تمہیں عطا فرمائی ہے۔تمہارا حال یہ تھا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی' پس تم اس کے فضل وکرم سے بھائی بھائی بن گئے' اور تم لوگ آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے پس اس نے تمہیں بچالیا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔''

مزید فرماتا ہے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (الانعام:۱۵۳)

''اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو اور دوسرے مختلف راستوں پر مت چلو' کیونکہ وہ تمہیں اس کے راستے سے جدا کردیں گے۔یہ وہ بات ہے جس کی اللہ تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ﴾ (الانفال:۴۶)

''اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو' ورنہ تو تم کمزور اور کم ہمت ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی''۔

میثاق حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن

تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجئے۔

# عوامی سطح پر دعوتی و تبلیغی نصاب

# کس نکتے پر مشتمل ہونا چاہئے؟

محمد رشید عمر ☆

انفرادی سطح پر تقویٰ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان اسلام اور ایمان کی منزلیں طے کرتا ہے۔ اگر تقویٰ ہے تو ایمان کی دولت حاصل ہوتی ہے' تقویٰ ہے تو ایمان اعمالِ صالحہ کی شکل اختیار کرتا ہے' تقویٰ ہے تو انسان کو اعمالِ صالحہ کی حقیقی مصلحتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ جس طرح تقویٰ کی روش فردِ انسانی کو انسان کامل بناتی ہے بالکل یہی اہمیت انسانی اجتماعیت کے لئے نظامِ عدلِ اجتماعی کی ہے۔ عدلِ اجتماعی ہے تو اجتماعیت ایمان پر قائم ہے' عدلِ اجتماعی ہے تو نظامِ عبادت ہے' عدلِ اجتماعی ہے تو انسانی ہمدردی کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں' عدلِ اجتماعی ہے تو دعوت و تبلیغ کا رخ صحیح ہے' عدلِ اجتماعی ہے تو جہاد کی سمت درست ہے' عدلِ اجتماعی ہے تو انسانیت کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا جاسکتا ہے' عدلِ اجتماعی کی موجودگی میں لوگ ﴿يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا﴾ کے مقام پر زندگی گزار سکتے ہیں۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے آیئے تفصیل سے اس پر غور کریں۔ تقویٰ کے لغوی معنی بچنا کے ہیں' جبکہ اسلامی اصطلاح میں دین کے مطابق اپنے خالق و مالک کی رضا پر کاربند ہونے اور اس کی ناراضگی سے بچنے کی فکر کا نام تقویٰ ہے۔ جب یہ فکر اجاگر ہوتی ہے تو انسان اپنے خالق و مالک سے شعوری تعلق جوڑتا ہے۔ یہی ایمان ہے۔ ایمان اور یقین کی اس دلی کیفیت کی وجہ سے اعمالِ صالحہ کا ظہور ہوتا ہے اور انسان

---

☆ ناظم حلقہ تنظیم اسلامی' پنجاب غربی

معصیت اور گناہ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا یہ تقویٰ اس کے دل میں حاکمِ عادل بن کر کھڑا ہو گیا ہے' نفسِ انسانی کا صحیح حق یعنی اس کے تحفظ کی ذمہ داری اس نے ادا کرنا شروع کر دی ہے۔ ایسے ہی متقی و پرہیزگار لوگوں کا فریضہ ہے کہ وہ انسانی اجتماعیت میں متقی دل کا رول ادا کریں۔ ظاہر ہے کہ ایسے افراد کم ہی ہوں گے جو تقویٰ کے معیار پر پورے اتر سکیں' لیکن یہی لوگ انسانی اجتماعیت میں وہ رول ادا کریں گے جو انسانی جسم میں متقی دل کا ہے۔ یہ لوگ نظامِ عدل و قسط کا نفاذ کر دیں گے تو پھر اجتماعیت جسے جسمِ انسانی کی مانند سمجھا جا سکتا ہے' ایمان دار کہلائے گی۔ ان کے ایمان کی علامت وہ نظامِ حکومت ہو گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دیئے ہوئے قوانین کا نفاذ کر رہا ہو گا۔ اب اسی نظام کے تحت نظامِ عبادت قائم ہو گا' جس میں عقائد' رسومات اور مراسمِ عبودیت کی یکسانیت ہو گی۔ اسی کے تحت تمام اہلِ اسلام سے نماز اور دوسرے ارکانِ اسلام اور تعبدی امور پر صحیح طور سے عمل کروایا جا سکتا ہے۔ انسانی ہمدردی کے معاملات کو سدھارنے کے لئے وسائل کی بہم رسانی اور ان کی تقسیم جیسے زکوٰۃ' عشر' خراج اور صدقات و خیرات کا جمع کرنا اور کفالتِ عامہ کے لئے خرچ کرنا' اور سرمایہ کو جائز تجارتی اصولوں پر استعمال کر کے معاشرہ میں محنت اور ایثار کا ماحول پیدا کرنا' یہ تمام کام صرف اور صرف عدلِ اجتماعی کے زور ہی سے ممکن ہیں۔

غیر عادلانہ اور ظالمانہ نظامِ حکومت میں دین کی اصطلاحات کے صحیح معانی واضح نہیں ہو سکتے۔ نام نہاد مفسرین اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے ان کے ایسے معانی بتاتے ہیں جن کے ذریعے عوام میں خود آگاہی اور خودنگری کی صلاحیت پیدا نہیں ہو سکتی' بلکہ وہ ان کو سہل پسندی اور حقائق کا سامنا کرنے سے فرار کی راہیں سجھاتے ہیں۔ دین کے یہ قائدین آقائے اقتدار کو بھی خوش رکھتے ہیں اور عوام کو بھی عمل کئے بغیر بہت سارے اجر و ثواب کی امید اور یقین دلا کر مطمئن کر دیتے ہیں۔ نظامِ عدل قائم ہو تو ان مفسرینِ دین کی ضرورتیں پوری ہوں گی اور وہ قرآن کی دینی اصطلاحات کے وہی معانی بیان کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے جو قرونِ اولیٰ میں غلبۂ دین کے وقت تھے۔ گویا عدلِ اجتماعی سے

ہمیں قرآنی آیات اور دینی اصطلاحات کا صحیح مفہوم میسر آ سکتا ہے۔

جہاد جو کہ ہمہ وقت' ہمہ پہلو کشاکش کا نام ہے' صرف عدلِ اجتماعی کے تحت ہی پورے معاشرتی ڈھانچہ میں اس کا عمل دخل دیکھا جا سکتا ہے۔ فلاح و بہبود کے اداروں کا صحیح چلنا' تعلیم و تحقیق اور تنظیم کا صحیح رخ اور دوسرے نظام ہائے زندگی کے مقابلے میں اپنی برتری اور سچائی کا ظہور صرف اور صرف عدلِ اجتماعی کے نظام کے تحت ہو سکتا ہے۔ تعلیم کا نصاب اور تحقیق کا رخ نظامِ عدل ہی صحیح رکھ سکتا ہے۔ انتظامی ادارے حقوقِ انسانی کے محافظ اسی وقت بن سکتے ہیں جب نظامِ عدل اجتماعیت کی روح موجود ہو اور ایسی ہی اجتماعیت بقیہ انسانیت کو نجات کی راہ دکھا سکتی ہے جب وہ خود عدلِ اجتماعی کی تصویر بن کر کھڑی ہو۔ ایسی پاک اور صاف اجتماعیت کے اثرات بقیہ انسانیت کے لئے ایسے ثابت ہو سکتے ہیں جیسے دریا کا پانی' جو اپنے پیچھے زرخیز مٹی کی تہہ چھوڑ جائے اور وہ بنجر علاقے کو زرخیز اور شاداب زمین میں بدل دے۔

اگر اب بھی بات واضح نہ ہوئی ہو تو پھر عدل کے معانی پر غور کیجئے۔ جیسے رات کے مقابلے میں دن ہے اسی طرح ظلم کے مقابلے میں عدل ہے۔ ظلم کا معنی کسی کو اس کے جائز مقام اور حق سے محروم کر دینا ہے۔ اسی طرح عدل کا معنی کسی کو اس کا جائز مقام اور حق دے دینا ہے۔ سب سے بڑا ظلم شرک ہے اور سب سے بڑا عدل اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو عملاً نافذ کر دینا ہے۔ اللہ کے تمام برگزیدہ بندے معروف کا حکم دینے والے اور منکر سے روکنے والے ہوتے ہیں۔ عدل قائم کرنا ہی وہ بڑا امرِ معروف ہے جس کا درجہ حسنِ معاملت اور انسانی ہمدردی سے بھی بلند ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ پر غور کیجئے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (النحل: ۹۰)

''یقیناً اللہ حکم دیتا ہے عدل کا' احسان کا اور قرابت داروں کا حق ادا کرنے کا' اور روکتا ہے بےحیائی سے' برائی سے اور سرکشی سے۔ تم کو سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو''۔

اس آیہ مبارکہ میں جن اوامر و نواہی کی فہرست دی گئی ہے ان کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے: ۱) عدل کرنے کا۔ ۲) حسنِ معاملات کا۔ ۳) قریبی

عزیزوں کے حقوق کی ادائیگی کا ——— اور وہ روکتا ہے: ۱) بے حیائی سے۔۲) برائی سے۔۳) سرکشی اور بغاوت سے۔

یہاں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ نماز و روزہ' حلال وحرام' دعوت الی الخیر اور حدود اللہ کی حفاظت کے کاموں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تحت بیان نہیں کیا گیا' بلکہ ان کا ذکر علیحدہ سے ہے اور مزید قابل توجہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اوامر ونواہی کی فہرست مکی دور کی جاری کردہ ہے جبکہ ابھی دین کی مکمل شکل واضح ہو کر سامنے نہیں آئی تھی۔ مکی دور ہی کی سورۃ الشوریٰ میں اقامت دین کا واضح حکم دیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے کہلوایا گیا ہے:

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾

''اور مجھے تمہارے درمیان عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے''۔

یعنی اوامرِ معروف میں چوٹی پر عدل کے قیام کا حکم اور اس کا پورا پروگرام ہے۔ دین کا یہی وہ پہلو (عدلِ اجتماعی) ہے جس کے اندر انسانی محرومیوں کی اور نفس انسانی کی مرغوبات کی بہم رسانی کا وافر سامان بھی موجود ہے۔ اطمینان' سکون' آسائشاتِ دنیا اور غلبۂ عدلِ اجتماعی کے ثمرات ہیں جو نفسِ امارہ کی مرغوبات میں سے بھی ہیں۔ الرحیق المختوم میں یہ واقعہ درج ہے کہ جب قبائلِ عرب پر دین اسلام پیش کیا گیا تو عامر بن صعصعہ سے قبیلہ کے ایک آدمی بحیرہ بن فراس نے کہا: ''خدا کی قسم! اگر میں قریش کے اس نوجوان کو لے لوں تو اس کے ذریعے پورے عرب کو کھا جاؤں گا''۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ اچھا یہ بتائیے کہ اگر ہم آپ (ﷺ) سے آپؐ کے اس دین پر بیعت کرلیں' پھر اللہ آپ کو مخالفین پر غلبہ عطا فرمائے تو کیا آپ کے بعد زمامِ کار ہمارے ہاتھ میں ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''زمامِ کار تو اللہ کے ہاتھ میں ہے' وہ جہاں چاہے گا رکھے گا''۔ اس پر اس شخص نے کہا ''خوب! آپ کی حفاظت میں تو ہمارا سینہ اہلِ عرب کے نشانے پر رہے' لیکن جب اللہ آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو زمامِ کار اور کے ہاتھ میں؟ ہمیں آپ کے دین کی ضرورت نہیں!''

ائمۃ الکفر (ابوجہل' ابولہب' ولید وغیرہم) کے انکار کا سبب بھی یہ احساسِ نقصان تھا کہ زمامِ کار اِن کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس لئے جب رسول اللہ ﷺ لوگوں سے کہہ رہے تھے: ((قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا)) تو اس کا مطلب نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام اور ان کی چودھراہٹ کا خاتمہ ان کو سمجھ آ رہا تھا' ورنہ زبان سے ان الفاظ کا اقرار جتنا آج آسان ہے اُس وقت بھی ایسے ہی تھا' لیکن اُس وقت حالت یہ تھی۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را!

چنانچہ اس وقت بھی دعوت و تبلیغ کے دوران کلمہ کی اصلاح کا مقصد اس کلمہ کے تقاضوں کو عملاً نافذ کرنا ہوگا۔ نماز تو اس نظام عدل و قسط کی غرض و غایت کو مستحضر رکھنے اور موقف حق کی یاد دہانی کا ذریعہ ہے' یہ کام اوامرِ معروف کی چوٹی اور انتہا نہیں ہیں۔ سب سے بڑا اور پہلا امرِ معروف عدلِ اجتماعی کے قیام کا حکم ہے جو بذاتِ خود فرمانِ شاہی ہے۔ اس کے لئے جدوجہد ہم پر فرض ہے۔ عدل اجتماعی ہے تو انسانی زندگی کے تمام معاملات اور وظائف صحیح طور پر ادا ہوں گے۔ اِس کی دعوت لوگوں کے سامنے رکھیں گے تو لوگوں کی توجہ اور رغبت حاصل ہوگی جو کہ فی زمانہ دین کے داعی کے سامنے بزعم خود بہت بڑے مسئلہ کی شکل میں آتی ہے کہ لوگ اس سودے کے خریدار نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک روکھے پھیکے دین کی طرف کیوں لپکیں گے۔ وہ تو صرف اسی وقت راغب ہوں گے جب اس میں ان کے نفس کی خواہشات کا سامان بھی ان کو نظر آئے گا۔ اس صورت میں ہم عدلِ اجتماعی کی ضرورت کو ان کے سامنے مجسم کر دیں تو یقیناً دین کا وہ پہلو جو جامد اور خشک نہیں ہے' بلکہ مردہ جسم میں روح کا کام کرنے والا اور اس کے اندر حمیت اور غیرت کا وہ جذبہ پیدا کرنے والا ہے جس کی بنا پر اہلِ اسلام کو دنیا میں غلبہ کا کھویا ہوا مقام حاصل ہوسکتا ہے' تو یقیناً بہت سارے لوگ اس کو قبول کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے دورِ ثانی کے لئے قافلۂ جنوں قدم بزن ہو جائے گا۔ ○○

# مسلمان کا طرزِ حیات (۳۷)

علامہ ابوبکر جابر الجزائری کی شہرہ آفاق کتاب

"مِنھاجُ المسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

**کتاب الاخلاق**

بارہواں باب

## چند بُری عادتیں

### ۱) ظلم

مسلم نہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کسی کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ اس پر ظلم کرے۔ کیونکہ ظلم کی تینوں صورتوں کی حرمت قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۝ ﴾ (البقرۃ:۲۷۹)

''نہ تم ظلم کرو' نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا۝ ﴾ (الفرقان:۱۹)

''تم میں سے جو کوئی بھی ظلم کرے گا ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔''

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

((يَا عِبَادِيْ اِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ ' وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا)) (۱)

''میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنی ذات پر حرام قرار دے لیا ہے' اور تمہارے لئے بھی ایک دوسرے پر ظلم کرنا حرام کیا ہے' اس لئے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو''۔

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر و الصلة' باب تحریم الظلم

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۱)

''ظلم سے بچو' کیونکہ ظلم قیامت کے دن تاریکیاں بن جائے گا۔''

نیز ارشاد فرمایا:

((وَمَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ طَوَّقَهُ اللّٰهُ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ)) (۲)

''جس نے ایک بالشت برابر ظلم کیا (کسی کی ایک بالشت زمین پر ناجائز قبضہ کرلیا) اللہ تعالیٰ اسے ساتوں زمینوں سے طوق پہنائے گا۔''

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِيْ لِلظَّالِمِ ' فَاِذَا اَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ))

''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے' پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔''

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ (هود:۱۰۲)

''تیرے ربّ کی گرفت ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑ لیتا ہے اور وہ بستیاں ظالم بن چکی ہوتی ہیں۔ اس کا پکڑنا بہت تکلیف دہ اور شدید ہوتا ہے۔''(۳)

علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے:

((اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ)) (۴)

''مظلوم کی بددعا سے بچو' کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔''

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب المظالم والقصاص' باب الظلم ظلمات یوم القیامة (اس روایت میں یہ لفظ نہیں ''ظلم سے بچو'')۔ وصحیح مسلم' کتاب البر والصلة' باب تحریم الظلم۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق' باب ما جاء فی سبع ارضین۔ وصحیح مسلم' کتاب المساقاة والمزارعة' باب تحریم الظلم وغصب الارض وغیرها

(۳) صحیح البخاری' کتاب الزکاة' باب اخذ الصدقة من الاغنیاء وترد علی الفقراء حیث کانوا۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الدعاء الی الشهادتین وشرائع الاسلام۔

(٤) صحیح البخاری' کتاب الزکاة' باب اخذ الصدقة من الاغنیاء وترد علی الفقراء حیث کانوا۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الدعاء الی الشهادتین وشرائع الاسلام۔

## ظلم کی تین قسمیں ہیں:

(۱) حقوق اللہ کی ادائیگی میں ظلم: اس میں کفر اور شرک شامل ہے۔ کفر کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (البقرة:۲۵٤)

''کافر ہی ظالم ہیں''۔

اللہ کی عبادت میں شرک: یعنی کوئی عبادت اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے انجام دینے کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان:۱۳)

''یقیناً شرک ایک بڑا ظلم ہے۔''

(۲) اللہ کی مخلوق پر ظلم: مثلاً اللہ کے بندوں کو بدنی یا مالی طور پر ناحق اذیت دی جائے یا ان کی عزت پر ہاتھ ڈالا جائے۔ جناب نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ مِنْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ))[۱]

''جس نے اپنے بھائی پر اس کی عزت کے بارے میں یا کسی اور چیز کے بارے میں کسی قسم کا ظلم کیا ہے تو اسے چاہئے کہ آج ہی اُس سے معاف کرالے اس دن سے پہلے پہلے جبکہ اس کے پاس نہ کوئی دینار ہوگا نہ درہم۔ اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو اس کے ظلم کے مطابق اس سے نیکیاں لے لی جائیں گی، اگر نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کے (مظلوم) ساتھی کے گناہ لے کر اس (ظالم) پر لاد دیئے جائیں گے''۔

نیز ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ)) فَقَالَ رَجُلٌ: وَاِنْ كَانَ يَسِيْرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: ((وَاِنْ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب المظالم، باب من کانت له مظلمة عند الرجل فحللها له هل یبین مظلمته

كَانَ قَضِيبًا مِنْ اَرَاكٍ)) [1]

''جس نے جھوٹی قسم کھا کر اپنے مسلمان بھائی کا حق چھین لیا اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جہنم لازم کر دی اور اس پر جنت حرام کر دی''۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر چہ معمولی چیز ہو؟ فرمایا: ''اگر چہ پیلو کے درخت کی ایک چھڑی (مسواک) ہو''۔

نیز ارشاد ہے:

((لَنْ يَّزَالَ الْمُؤْمِنُ فِيْ فُسْحَةٍ مِنْ دِيْنِهٖ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا)) [2]

''مؤمن اپنے دین کے بارے میں فراخی میں رہتا ہے جب تک ناجائز قتل کا ارتکاب نہیں کرتا''۔

نیز ارشادِ نبویؐ ہے:

((كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ)) [3]

''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے قابلِ احترام ہے یعنی اس کی جان' اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو''۔

(۳) اپنی جان پر ظلم: جب بندہ مختلف گناہوں' برائیوں اور جرائم کا ارتکاب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی حکم عدولی کرتا ہے تو ان گناہوں کے اثر سے اس کا نفس آلودہ ہو جاتا ہے اور وہ روحانی ترقی سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس طرح بندہ خود اپنے آپ پر ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (البقرة:٥٧)

''اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا' بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے''۔

یعنی کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والا دراصل اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے' کیونکہ ان اعمال کی وجہ سے خود اُس کا دل متاثر ہوتا ہے' وہ ناپاک اور تاریک ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح اللہ سے دوری اور اس کی لعنت کا مستحق بن جاتا ہے۔

## ب) حسد

حسد کرنا ایک مسلمان کی عادت نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ حسد نہیں کرتا' کیونکہ وہ تو سب

(١) صحيح مسلم' كتاب الايمان' باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة
(٢) صحيح البخاري' كتاب الديات' باب قول الله تعالى: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ﴾
(٣) صحيح مسلم' كتاب البر' باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه وماله۔

کے لئے بھلائی کا خواہاں ہوتا ہے' بلکہ ایثار کی صفت سے متصف ہونے کی وجہ سے وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہوئے دوسروں کا فائدہ سوچتا ہے اور حسد اِن دونوں کریمانہ صفات کے منافی ہے' یعنی دوسروں کے لئے بھلائی کی خواہش اور ایثار۔

مسلمان حسد سے نفرت کرتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مخلوق میں اپنا فضل جس انداز سے تقسیم فرمایا ہے حسد کرنے والا گویا اس پر معترض ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَا اٰتٰـھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ج﴾ (النساء: ٥٤)

''کیا یہ لوگ (یہودی) اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے اُن (مؤمنوں) کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے؟''

اور فرمایا:

﴿اَھُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّکَ ط نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَّعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ط﴾ (الزخرف: ٣٢)

''کیا تیرے ربّ کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کے درمیان ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ان کے درجات ایک دوسرے پر بلند کئے ہیں' تا کہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔''

حسد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی کسی دوسرے کو حاصل شدہ کسی نعمت — مثلاً مال' علم' جاہ وحشمت' اقتدار وغیرہ — کے متعلق یہ تمنا کرے کہ یہ نعمت اس سے چھن کر حاسد کو حاصل ہو جائے۔ دوسری قسم اس سے بھی بُری ہے' وہ یہ کہ دوسرے کی نعمت چھن جائے خواہ اسے ملے یا نہ ملے۔

رشک کرنا حسد میں شامل نہیں۔ رشک کا مطلب ہے کہ ایک شخص یہ تمنا کرے کہ جس طرح کا علم' مال یا کوئی خوبی دوسرے کو حاصل ہے ایسی ہی نعمت اس رشک کرنے والے کو بھی حاصل ہو جائے' اور یہ خواہش نہ ہو کہ دوسرے کی نعمت ختم ہو جائے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ : رَجُلٌ آتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَسَلَّطَہٗ عَلٰی ھَلَکَتِہٖ فِی الْحَقِّ' وَرَجُلٌ آتَاہُ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ فَھُوَ یَقْضِیْ بِھَا وَیُعَلِّمُھَا)) [1]

(١) صحیح البخاری' کتاب العلم' باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ۔

''حسد (یعنی رشک) تو صرف دو چیزوں میں ہی ہوسکتا ہے۔ جس شخص کو اللہ نے مال دیا اور اسے حق (اور نیکی) کے راستے میں خرچ کرنے پر لگا دیا (اس پر رشک کرنا چاہئے) اور جس شخص کو اللہ نے علم وحکمت سے نوازا' وہ اس کے مطابق فیصلے (اور عمل) کرتا ہے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا ہے (اس پر رشک کرنا چاہئے)۔''

یہاں حکمت سے مراد قرآن کریم اور سنت نبویؐ ہے۔

حسد کی دونوں قسمیں قطعی حرام ہیں۔ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی سے حسد کرے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (النساء:٥٤)

''کیا یہ لوگ اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے اُن (مؤمنوں) کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے؟''

اور فرمایا:

﴿حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ......﴾ (البقرة:١٠٩)

''(اہل کتاب) اپنے دلوں کے حسد کی وجہ سے (تمہیں کفر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں)۔''

اور فرمایا:

﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾ (الفلق:٥)

''(کہو: میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں) حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرے۔''

اللہ تعالیٰ جب کسی بری عادت کی مذمت کریں تو اس سے اس کی ممانعت اور حرمت ثابت ہوتی ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

((لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا (١) وَلَا تَقَاطَعُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا' فَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ)) (٢)

''ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے حسد نہ کرو' ایک دوسرے کی

---

(١) "لَا تَدَابَرُوْا" کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اس سے ناراض رہے اور ملنا جلنا پسند نہ کرے۔

(٢) صحيح البخاری' كتاب الادب' باب ما ينهی عن التحاسد والتدابر (اس روایت میں قطع تعلق کا لفظ نہیں ہے۔) وصحيح مسلم' كتاب البر والصلة' باب تحريم التحاسد والتباغض والتدابر۔

پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو' ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑے رکھے۔''

اور ارشاد ہے:

((اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ اَوِ الْعُشبَ)) [1]

''حسد سے بچو' کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو یا گھاس پھونس کو ــــ کھا جاتی ہے۔''

## ج) دھوکا فریب

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی خیر خواہی کو اللہ کی اطاعت کا جزو سمجھتا ہے اور اس کی زندگی پر یہ خوبی غالب ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے لئے یہ مناسب نہیں کہ کسی کو دھوکا دے' یا عہد شکنی کرے یا خیانت کرے' کیونکہ یہ سب قبیح عادتیں ہیں اور ایسی چیز کسی مسلمان کا وصف نہیں بن سکتی۔ اس لئے کہ ایمان اور عمل صالح سے اس کے دل کو جو صفائی اور نفس کو جو طہارت حاصل ہوتی ہے' اس قسم کی بری عادتیں اس روحانی پاکیزگی سے مناسبت نہیں رکھتیں۔ یہ عادتیں سراسر بری ہیں' ان میں خیر کا کوئی پہلو نہیں۔ اور مسلمان تو ہمیشہ خیر کا متلاشی اور شر سے نفور رہتا ہے۔

## فریب کی مذموم خصلت کی چند مثالیں

۱) کوئی شخص اپنے بھائی کو برائی میں مبتلا کرنے کے لئے اس برائی کو اچھا بنا کر پیش کرے۔

۲) کسی چیز کا ظاہری اچھا اور عمدہ پہلو ظاہر کرے اور اس کی حقیقت پر مطلع نہ کرے جس میں خرابی پائی جاتی ہے۔

۳) دل کی اصل کیفیت کو اس پر ظاہر نہ کرے' بلکہ اسے دھوکا دینے کے لئے اس کے برعکس کیفیت کا اظہار کرے۔

۴) چغلی اور لگائی بجھائی کے ذریعہ اس کی بیوی' اولاد' نوکر چاکر یا دوست کے ساتھ اس کے تعلقات خراب کرنے کی کوشش کرے' یا اس کو مالی نقصان پہنچانے کی کوشش

(۱) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب فیمن یهجر اخاه المسلم۔

کرے۔

۵) پہلے اس سے یہ وعدہ کر لے کہ وہ اس کی جان' مال کی حفاظت کرے گا' یا اس کے راز کو راز رکھے گا' پھر خیانت کرتے ہوئے اس وعدہ پر قائم نہ رہے۔

مسلمان جب دھوکے فریب اور خیانت سے پرہیز کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل کر رہا ہوتا ہے' کیونکہ قرآن مجید اور حدیث نبویؐ میں ان اعمال سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب:٥٨)

''اور جو لوگ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو تنگ کرتے ہیں' حالانکہ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا' تو ایسے لوگ بہتان اور واضح گناہوں کا بوجھ اپنے سر لے رہے ہیں۔''

ایک مقام پر ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ﴾ (الفتح:١٠)

''اور جو وعدہ توڑتا ہے تو وہ عہد شکنی کر کے اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ﴾ (فاطر:٤٣)

''بری تدبیر (مکروفریب) اپنے کرنے والے ہی کو تباہ کرتی ہے۔''

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ خَبَّبَ زَوْجَةَ امْرِئٍ اَوْ مَمْلُوْكَهٗ فَلَيْسَ مِنَّا)) [1]

''جو شخص کسی کی بیوی یا غلام کو (خاوند یا آقا کے خلاف) بھڑکاتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔''

نیز فرمایا:

((اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا' وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا : اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ

(۱) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب فی من خبب مملوکا علی مولاہ ۔ اس کی سند قابل قبول ہے۔

كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) (۱)

''جس شخص میں چار عادتیں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو وہ نفاق کی ایک خصلت کا حامل ہے جب تک اسے ترک نہ کر دے (وہ عادتیں یہ ہیں): جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے' جب بات کرے تو جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے تو عہد شکنی کرے' جب (کسی سے) جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرنے لگے۔''

ایک بار جنابِ رسول اللہ ﷺ کا گزر (بازار میں) اناج کے ایک ڈھیر کے پاس سے ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو تری محسوس ہوئی۔ فرمایا: ''اناج والے! یہ کیا ہے؟'' اس نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! بارش سے بھیگ گیا ہے''۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ؟ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ)) (۲)

''پھر تم نے اس (بھیگے ہوئے غلے کو خشک) اناج کے اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ دیکھ لیتے؟ جو دھوکا دے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

## د) ریاء

مسلمان دکھلاوا نہیں کرتا' کیونکہ ریا اور دکھلاوا نفاق اور شرک ہے۔ مسلمان ایمان اور توحید والا ہوتا ہے' جبکہ ریاء اور نفاق کی خصلتیں ایمان اور توحید کے منافی ہیں۔ اس لئے مسلمان کبھی دکھلاوا کرنے والا اور منافق نہیں ہوتا۔ اس بری عادت سے مسلمان کے متنفر ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نظر میں مکروہ اور قابل نفرت ہے' جس سے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی حاصل ہوتی ہے۔ دکھلاوا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے ڈرایا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۞ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۞ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاءُوْنَ ۞ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۞﴾ (الماعون: ٤-٧)

''ان نمازیوں کے لئے خرابی ہے جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں۔ جو دکھلاوا کرتے

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب علامة المنافق۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان خصال المنافق (نحوه)

(۲) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم :((مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا))

ہیں اور (ضرورت مند کو) معمولی چیز بھی نہیں دیتے۔"

جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قَالَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی : اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَکَ فِیْهِ مَعِیَ غَیْرِیْ تَرَکْتُهٗ وَشِرْکَهٗ)) (۱)

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں تمام شریکوں سے زیادہ شراکت سے مستغنی ہوں۔ جو شخص کوئی عمل کرتا ہے اور اس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر دیتا ہے، میں اسے اور اس کی شراکت (سب) کو چھوڑ دیتا ہوں (یعنی ایسا عمل قبول نہیں فرماتا)۔"

ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَنْ رَاءَ ی رَاءَ ی اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ)) (۲)

"جو دکھاوا کرے گا اللہ اس کے ساتھ دکھاوا کرے گا (یعنی قیامت کو اُسے سب کے سامنے رسوا کرے گا)، اور جو شہرت (کے لئے عمل) کرے گا اللہ اس کی تشہیر کرے گا۔"

ایک بار آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمُ الشِّرْکُ الْاَصْغَرُ)) قَالُوْا وَمَا الشِّرْکُ الْاَصْغَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : ((الرِّیَاءُ، یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِذَا جَازَی الْعِبَادَ بِاَعْمَالِهِمْ : اِذْهَبُوْا اِلَی الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تُرَاءُوْنَ فِی الدُّنْیَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمُ الْجَزَاءَ)) (۳)

"تم لوگوں پر مجھے جن چیزوں کا اندیشہ ہے ان میں سب سے زیادہ خطرہ شرکِ اصغر کا ہے"۔ صحابہ ﷺ نے عرض کیا: یارسول اللہ! شرکِ اصغر کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: "ریاکاری۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اُن کے اعمال کی جزا عطا فرمائیں گے تو (ریاکاروں) سے ارشاد فرمائیں گے: ان کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم عمل کیا کرتے تھے، دیکھو کیا تمہیں کوئی جزا ملتی ہے؟"

ریا اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ "اللہ کی اطاعت اس نیت سے کی جائے کہ بندوں کے دل

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب من اشرك فی عمله غیر اللّٰہ۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة۔ وصحیح مسلم، کتاب الزھد، باب من اشرك فی عمله غیر اللّٰہ۔

(۳) طبرانی المعجم الکبیر، ح ۴۳۰۱۔ وبیھقی۔ ومسند احمد

میں مقام پیدا ہو اور اُن سے دُنیوی فوائد حاصل ہوں‘‘۔ ریا کی چند عملی مثالیں:

۱) نیکی کرنے پر اگر بندے کی تعریف کی جائے تو وہ زیادہ نیکی کرنے لگے اور اگر اس پر اعتراض کیا جائے یا بُرا بھلا کہا جائے تو اس نیکی کو چھوڑ دے۔

۲) لوگوں کے ساتھ عبادت کرنے میں مستعد ہو اور تنہائی میں کاہلی کا شکار ہو جائے۔

۳) صدقہ کرتے وقت یہ کیفیت ہو کہ اگر لوگ نہ دیکھ رہے ہوں تو صدقہ نہ کرتا ہو۔

۴) حق کہتے ہوئے، نیکی کی طرف دعوت دیتے ہوئے اور کسی بھی عبادت یا نیکی کے کام کو انجام دیتے ہوئے دل میں صرف اللہ کی رضا کا ارادہ نہ ہو، بلکہ اللہ کی رضا کے ساتھ ساتھ بندوں کی خوشنودی کا بھی خیال ہو، یا اللہ کی رضا کا سرے سے خیال نہ ہو، صرف بندوں کو خوش کرنے کا خیال ہو۔

## ۷) خود پسندی اور خود فریبی

مسلمان غرور اور خود فریبی سے پرہیز کرتا ہے۔ اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کسی حال میں وہ ان بری عادتوں میں مبتلا نہ ہو جائے۔ کیونکہ یہ دونوں روحانی کمال کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ جن کا نتیجہ بعض اوقات فوری طور پر روحانی تباہی کی صورت میں نکلتا ہے اور بعض اوقات ان کا انجام آخر کار تباہی ہوتا ہے۔ ان کی وجہ سے اللہ کی بہت سی نعمتیں بندے کے لئے اللہ کے غضب کا باعث بن جاتی ہیں۔ اور بہت دفعہ ان کی وجہ سے عزت ذلت میں اور قوت کمزوری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ عادتیں ایک بڑی بیماری اور وبال کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس لئے مسلمان ان سے ڈرتا اور بچتا ہے۔ قرآن وسنت نے بھی انہیں حرام قرار دیا ہے اور ان میں گرفتار ہونے سے ڈرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ أَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ (الحدید: ١٤)

’’تمہیں تمناؤں نے دھوکے میں رکھا حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ گیا اور تمہیں بڑے دھوکے باز (شیطان) نے دھوکے میں ڈالے رکھا۔‘‘

اور فرمایا:

﴿يٰٓأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ﴾ (الانفطار: ٦)

’’اے انسان! تجھے تیرے ربّ کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں رکھا؟‘‘

اورفرمایا:

﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا......﴾(التوبة:۲۵)

''اور حنین کے موقع پر بھی (اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی) جب تمہیں اپنی کثرت پر گھمنڈ ہو گیا' تو وہ (کثرت) تمہارے کسی کام نہ آئی۔''

ارشادِ نبویؐ ہے:

((ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ : شُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ)) (۱)

''تین چیزیں تباہی کا باعث ہیں: حرص کے پیچھے چلنا' خواہش کی پیروی اور انسان کا اپنے آپ پر نازاں ہونا۔''

نیز ارشاد ہے:

((اِذَا رَاَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا وَاِعْجَابَ كُلِّ ذِیْ رَاْيٍ بِرَاْيِهٖ فَعَلَيْكَ بِنَفْسِكَ)) (۲)

''جب تم حرص کی اطاعت ہوتے' خواہش کی پیروی ہوتے اور ہر انسان کو اپنی عقل پر نازاں ہوتے دیکھو' تو پھر اپنی ذات کی فکر کرو۔''

اورفرمایا:

((اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ ' وَالْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِیَّ)) (۳)

''عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے اور موت کے بعد (کی زندگی) کے لئے عمل کرتا ہے۔ اور بے وقوف وہ ہے جو نفس کو اس کی خواہش کے پیچھے لگا دیتا ہے (نفس کے کہے پر عمل کرتا رہتا ہے) اور اللہ پر جھوٹی امیدیں باندھ کر بیٹھا رہتا ہے۔''

## غرور کی چند مثالیں

(۱) ابلیس لعنۃ اللہ علیہ اپنے احوال پر مغرور ہو گیا۔ اسے اپنی ذات اور اپنی اصل پر فخر

(۱) طبرانی ۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔
(۲) سنن ابی داوٗد' کتاب الملاحم' باب الامر والنهی۔ وسنن ابن ماجة' کتاب الفتن' باب قوله تعالىٰ: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾
(۳) جامع الترمذی' کتاب القيامة' باب ۲۵۔ وسنن ابن ماجة' کتاب الزهد' باب ذكر الموت والاستعداد له۔

محسوس ہوا تو اس نے کہہ دیا: ''(اے اللہ!) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس (آدم ؑ) کو مٹی سے پیدا کیا ہے''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے محروم کر دیا اور اپنے دربار کی حاضری سے معزول کر دیا۔

(۲) قومِ عاد کو اپنی قوت پر فخر ہو گیا اور وہ اپنی سلطنت پر غرور کرنے لگے اور کہنے لگے: ''ہم سے زیادہ قوی کون ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی رسوا کن سزا دی اور آخرت میں بھی عذاب ان کا مقدر رہا۔

(۳) حضرت سلیمان ؑ جیسے عظیم نبی سے معمولی سی غفلت ہو گئی۔ انہوں نے فرمایا: ''آج میں اپنی سو بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر عورت سے ایک بیٹا پیدا ہو گا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا''۔ غفلت کی وجہ سے انہوں نے ''ان شاء اللہ'' نہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس متوقع اولاد سے محروم کر دیا۔

(۴) غزوۂ حنین کے موقع پر صحابہ کرام ؓ کو اپنی کثرتِ تعداد پر فخر ہوا۔ بعض صحابہ کرام ؓ کی زبان سے نکلا: ''آج تعداد کی کمی ہماری شکست کا باعث نہیں بن سکتی''۔ انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا' حتیٰ کہ اللہ کی فراخ اور وسیع زمین انہیں تنگ محسوس ہونے لگی اور وہ میدانِ جنگ سے مُنہ پھیر کر بھاگ نکلے۔

## غرور کے بعض مظاہر

(۱) علم میں: بعض اوقات انسان اپنے علم کے متعلق غرور کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسے اپنی کثرتِ معلومات پر فخر ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم میں مزید اضافہ کرنے کی کوشش ترک کر دیتا ہے اور دوسروں کی علمی کاوشوں سے استفادہ بند کر دیتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ دوسرے علماء کو حقیر سمجھنے لگتا ہے' اور کسی بھی عالم کی ہلاکت کے لئے یہ لغزش کافی ہے۔

(۲) مال میں: بعض اوقات انسان اپنے مال کی کثرت پر فخر کرنے لگتا ہے اور دُنیوی ساز و سامان کی کثرت پر نازاں ہو جاتا ہے۔ وہ فضول خرچی کرنے لگتا ہے اور بے جا مال اڑانے لگتا ہے۔ لوگوں پر رعب جمانے لگتا ہے اور زیادتی کرنا شروع کر دیتا ہے۔ حق بات کو قبول نہیں کرتا۔ اس طرح وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

(۳) قوت میں: بعض اوقات انسان کو اپنی قوت یا اقتدار پر گھمنڈ ہو جاتا ہے' وہ زیر

دستوں پر ظلم وزیادتی کو اپنا شعار بنالیتا ہے یا جوئے وغیرہ کا عادی ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کی قوت اس کے لئے باعث وبال بن جاتی ہے۔

(۴) عالی نسبی میں: بعض اوقات ایک انسان اس بات پر فخر کرنے لگتا ہے کہ وہ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور کسی عظیم انسان کی نسل سے ہے۔ چنانچہ وہ کسی میدان میں کمال حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور عمل میں کوتاہی کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے دوسروں سے پیچھے رہ جاتا ہے۔

(۵) عبادت میں: بعض اوقات انسان کو اپنے عمل پر ناز ہوتا ہے اور وہ نیکیوں کی کثرت پر غرور کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے اللہ کے حضور اُس کے عجز میں کمی آجاتی ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی نیکیوں کا احسان جتلانے لگتا ہے۔ نتیجتاً اس کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے فخر اور غرور کی وجہ سے تباہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔

## غرور کا علاج

اس بیماری کا علاج اللہ کا ذکر ہے۔ انسان کو جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آج اسے جو علم' مال' قوت' عزت اور شرف بخش رکھا ہے' اگر چاہے تو کل وہ اس سے یہ سب کچھ چھین بھی سکتا ہے۔ اور بندہ ربّ کی جتنی بھی اطاعت اور عبادت کر لے وہ اللہ کی ایک معمولی سی نعمت کا بدلہ بھی نہیں بن سکتی' اور کسی نیکی کی وجہ سے انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ناز کرنے لگے' کیونکہ ہر قسم کا فضل وکمال اللہ ہی کی طرف سے ہے اور ہر قسم کی بھلائی وہی دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَنْ یُّنْجِیَ اَحَدًا مِنْکُمْ عَمَلُهٗ)) قَالُوْا: وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ)) (۱)

''تم میں سے کسی کو اُس کا عمل نجات نہیں دے سکتا'' صحابہ نے عرض کیا: حضور! آپ کی بھی یہی کیفیت ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''ہاں' مجھے بھی نجات تبھی مل سکتی ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔''

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب المرضیٰ' باب تمنی المریض الموت۔ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں ''کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کر سکتا......'' وصحیح مسلم' کتاب المنافقین' باب لن یدخل احد الجنة بعمله بل برحمة اللّٰه تعالٰی (نحوه)

## د) نکما پن اور سستی

مسلمان نہ نکما ہوتا ہے نہ کاہل۔ وہ چست ہوتا ہے' احتیاط سے کام لیتا ہے' عمل کرتا ہے اور (اس کے اچھے نتائج کی) امید رکھتا ہے' کیونکہ عجز (کام نہ کر سکنا) اور سستی بری عادتیں ہیں جن سے اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔ آپؐ اکثر فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْھَرَمِ وَالْبُخْلِ))(۱)

''اے اللہ میں عجز سے' کاہلی سے' بزدلی سے' انتہائی بوڑھا ہو جانے سے اور بخل سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

آنحضرت ﷺ نے کام کرنے اور فائدہ کے حصول کی کوشش کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

((اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُکَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَلَا تَعْجَزْ ' وَاِذَا اَصَابَکَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ اَنِّیْ فَعَلْتُ کَذَا لَکَانَ کَذَا ' وَلٰکِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰہُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ ' فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ))(۲)

''جو چیز تجھے فائدہ دے اس کی حرص کر (یعنی اس کے حصول کی کوشش کر) اور اللہ سے مدد مانگ اور عاجز (اور نکما) نہ بن۔ اگر تجھے کوئی مصیبت پیش آ جائے تو یوں نہ کہہ: ''اگر میں ایسے کرتا تو ایسے ہو جاتا'' بلکہ یوں کہہ: ''اللہ نے یوں مقدر فرمایا' اور اللہ تعالیٰ نے جو چاہا کر دیا''۔ کیونکہ ''اگر'' سے شیطان کا کام شروع ہو جاتا ہے''۔

اس لئے مؤمن نہ عاجز ہوتا ہے نہ سست۔ وہ نہ بزدل ہوتا ہے نہ بخیل۔ وہ عمل چھوڑ کر کیسے بیٹھ سکتا ہے اور اپنے فائدے کے حصول کی امید سے کیونکر دست بردار ہو سکتا ہے؟ جبکہ وہ نظامِ اسباب پر اور کائنات میں اللہ کے مقرر کردہ قوانین پر یقین رکھتا ہے۔ وہ کس طرح سست ہو سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مقابلہ اور سبقت کی دعوت دی ہے اور فرمایا ہے:

﴿سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الحدید: ۲۱)

''اپنے رب کی مغفرت کی طرف' اور آسمان و زمین کی وسعت جیسی چوڑائی والی جنت

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الدعوات' باب التعوذ من الجبن والبخل (نحوہ)۔ وصحیح مسلم' کتاب الذکر' باب التعوذ من العجز والکسل وغیرہ (نحوہ)

(۲) صحیح مسلم' کتاب العذر۔

کی طرف ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرتے ہوئے آؤ۔''

اللہ تعالیٰ اسے رشک کا حکم دیتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَفِىْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۝﴾ (المطففین:٢٦)

''رشک کرنے والوں کو اس (جنت) جیسی چیز میں (ایک دوسرے پر) رشک کرنا چاہئے۔''

مسلمان نہ بزدل ہوتا ہے نہ پسپائی اختیار کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ کے فیصلوں پر یقین رکھتا ہے' وہ تقدیر پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جو مصیبت اسے آنی ہے وہ ٹل نہیں سکتی' اور جو مصیبت نہیں آنی وہ کسی حال میں اسے نہیں پہنچ سکتی۔ مسلمان مفید کام سے پیچھے نہیں رہتا' کیونکہ وہ قرآن کی آواز سن رہا ہوتا ہے۔ قرآن پکار رہا ہے:

﴿وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ﴾

''اور وہ جو نیکی کریں گے اس کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی۔''

قرآن کہتا ہے:

﴿وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ﴾ (المزمل:٢٠)

''اور اپنی جانوں کے لئے جو بھلائی تم آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں بہتر صورت میں اور بڑے اجر والی پاؤ گے۔''

## سستی اور نکمے پن کی چند مثالیں

(۱) ایک شخص نماز کی اذان سنتا ہے' لیکن مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرنے کے بجائے سو جاتا ہے یا فضول باتوں یا غیر ضروری کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے' حتیٰ کہ جب اسے محسوس ہوتا ہے کہ اب نماز کا وقت ختم ہونے والا ہے تو آخری وقت میں اکیلا ہی نماز پڑھ لیتا ہے۔

(۲) وہ چائے خانوں اور پارکوں میں گھنٹوں بیٹھا رہتا ہے' یا سڑکوں پر اور بازاروں میں گھومتا رہتا ہے حالانکہ اس کے کئی ضروری کام کرنے والے پڑے ہوتے ہیں' انہیں انجام نہیں دیتا۔

(۳) وہ کئی ایسے کام کر سکتا ہے جن سے اسے دنیا میں اور آخرت میں فائدہ ہو۔ مثلاً

کوئی علم سیکھنا' زمین کاشت کرنا' گھر بنانا وغیرہ—— لیکن وہ یہ کام نہیں کرتا اور مختلف بہانے بنالیتا ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہوگئی ہے' وہ اس کام کی اہلیت نہیں رکھتا' اس کام کے لئے کھلا وقت چاہئے۔ لیکن دن گزرتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ سالہا سال گزر جاتے ہیں اور وہ اس وقت سے فائدہ اٹھا کر کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے اسے دنیا میں یا آخرت میں فائدہ ہو۔

(۴) اسے نیکی کے کئی مواقع نصیب ہوتے ہیں لیکن وہ انہیں ضائع کر دیتا ہے۔ مثلاً حج کا موقع ملتا ہے اور اسے حج کرنے کی طاقت بھی حاصل ہے لیکن وہ حج نہیں کرتا۔ اسے کوئی مصیبت زدہ ملتا ہے جس کی دادرسی کرنا اس کے بس میں ہے لیکن وہ اس کی مدد نہیں کرتا۔ رمضان المبارک کا مہینہ آتا ہے لیکن وہ اس کی راتوں کے قیام کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔ اس کے والدین بوڑھے ہیں' وہ ان کی خدمت کرسکتا ہے' لیکن وہ ان سے نیکی نہیں کرتا' ان کی خدمت نہیں کرتا' خواہ اس کی وجہ سستی ہو یا بخل' یا والدین کی نافرمانی کا شیطانی جذبہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب چیزوں سے محفوظ رکھے۔

(۵) وہ ایسے علاقے میں قیام پذیر رہتا ہے جہاں اسے ذلت کے ساتھ زندگی گزارنا پڑتی ہے لیکن محض کاہلی اور سستی کی وجہ سے وہ کسی دوسرے ملک میں ہجرت نہیں کر جاتا جہاں اس کا دین اور اس کی عزت وآبرو محفوظ رہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ' وَنَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ کُلِّ خُلُقٍ لَا تَرْضٰی وَعَمَلٍ لَا یَنْفَعُ

''اے اللہ ہم عجز اور سستی سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ ہم بزدلی اور بخل سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔ ہم ہر اُس عادت سے جو تجھے پسند نہیں اور ہر اُس عمل سے جس کا کوئی فائدہ نہیں' تیری پناہ میں آتے ہیں۔''

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات واحادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

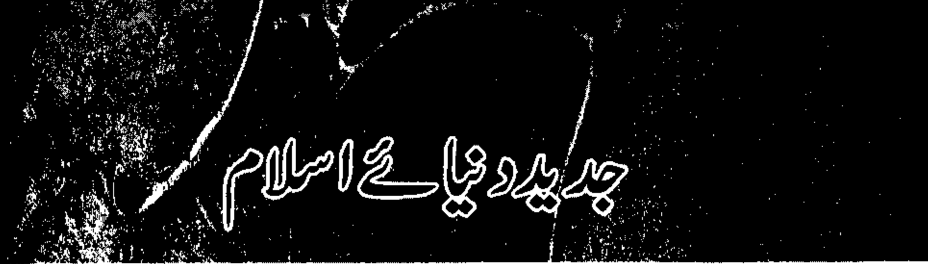


قسط وار سلسلہ (11)

# انڈونیشیا (Indonesia)

(گزشتہ سے پیوستہ)

## تحریک آزادی — حصولِ آزادی — آزادی کے بعد

تحقیق و تحریر: سید قاسم محمود

انڈونیشیا پر ولندیزیوں کا قبضہ 1942ء تک قائم رہا۔ انہوں نے یہاں کم و بیش ڈھائی سو سال تک حکومت کی۔ ولندیزی سامراج کا یہ زمانہ انڈونیشیا کی تاریخ کا تاریک ترین دور ہے۔ انہوں نے اپنے عہد میں ملک میں تعلیم کو عام نہیں ہونے دیا۔ حصولِ آزادی کے وقت تک پورے ملک میں اعلیٰ تعلیم کا ایک ادارہ بھی نہیں تھا۔ بے شک ولندیزیوں نے شکر' چائے اور ربڑ کی کاشت کو بڑی ترقی دی' لیکن وہ تمام زمینیں جن پر اُن کی کاشت ہوتی تھیں' ولندیزیوں کی ملکیت میں تھیں اور انڈونیشیا کے عوام ان کے فوائد سے محروم رہے۔ اسی طرح سرکاری ملازمتوں میں بھی انڈونیشیا کے لوگوں کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا جاتا تھا۔

ولندیزیوں نے اپنے دور میں انڈونیشیا میں سرکاری سرپرستی میں عیسائیت کی بھی خوب تبلیغ کی اور سماٹرا کے وسطی حصوں' سلیبز کے بعض حصوں اور دور دراز جزیروں میں غیر مسلموں کی ایک کثیر تعداد کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہو گئے اور اس طرح انڈونیشیا میں اچھا خاصا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جس پر ولندیزی اعتماد کر سکتے تھے۔

انڈونیشیا اور چین کے درمیان پرانے زمانے سے تجارتی تعلقات قائم تھے اور چینی تاجروں کی ایک اچھی خاصی تعداد انڈونیشیا میں آباد تھی۔ ولندیزی دور میں ان چینی تاجروں کی سرپرستی کی گئی اور ان کو زیادہ سے زیادہ مراعات دی گئیں۔ ان مراعات کی وجہ سے چینی تاجر انڈونیشیا کی تجارتی اور اقتصادی زندگی پر اس طرح قابض ہو گئے جس طرح برعظیم پاک و ہند میں برطانوی عہد میں ہندو بنگلہ دیش اور پاکستان کی پوری معیشت پر قابض ہو گئے تھے۔

ولندیزیوں کی سیاسی غلامی' عیسائیت کی تبلیغ اور چینی باشندوں کی اقتصادی اجارہ داری نے

انڈونیشیا کے عوام' بالخصوص مسلمانوں میں ولندیزیوں کے خلاف سخت نفرت پیدا کر دی اور اس طرح انڈونیشیا میں سیاسی بیداری کا آغاز ہوا۔

## امام بونجول کی تحریک جہاد

انیسویں صدی مسلم دنیا میں تجدید واحیائے اسلام کی ایسی تحریکوں کا زمانہ ہے جن کی بنیاد جہاد پر تھی۔ لیبیا میں محمد بن علی سنوسی' سینیگال میں حاجی عمر تجانی' مالی میں احمد ولوبو' نائیجیریا میں عثمان وان فودیو' سوڈان میں مہدی سوڈانی' الجزائر میں امیر عبدالقادر الجزائری' قفقاز میں امام شامل اور برعظیم پاک وہند میں سید احمد شہید کی جہادی تحریکیں اسی صدی سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان جہادی تحریکوں میں خود بخود آزادی کی تحریکیں اور سماجی بہبود کی اصلاحی تحریکیں شامل ہوتی گئیں۔ انڈونیشیا میں بھی سیاسی بیداری کا آغاز تحریک جہاد سے ہوا۔

اس تحریک کے بانی شمالی ساٹرا میں آچے کے ایک ممتاز عالم دین امام بونجول (1772ء۔1864ء) تھے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اسلامی شعائر کی حفاظت کے لئے ولندیزیوں کے خلاف جہاد لازم ہے۔ ان کی تحریک کا نعرہ یہ تھا: ''موت برحق ہے اور ایک مسلمان کے لئے بہترین موت اسلام کے لئے جان دینا ہے''۔ انہوں نے مجاہدین کی ایک باقاعدہ فوج تیار کی' جس نے منگ کباؤ کے ولندیزی فوجی اڈوں پر قبضہ کر کے اس علاقے سے ولندیزیوں کو نکال دیا۔ 1823ء سے 1837ء تک جنگ جاری رہی۔ آخر میں ان کو شکست ہوئی اور وہ قید کر دیئے گئے اور قید خانے ہی میں انتقال کیا۔ لیکن تحریک جاری رہی اور اس کے اثرات جاوا میں بھی جا پہنچے۔ وہاں ماترم کے ایک شہزادے دیپوگورو نے 1825ء میں باقاعدہ جنگ شروع کر دی اور ولندیزیوں کو کئی عبرت ناک شکستیں دیں۔ 1830ء میں ولندیزیوں نے انہیں دعوت کے بہانے بلا کر گرفتار کر لیا اور مکاسر میں جلاوطن کر دیا۔ ساٹرا میں محمد سامان نے 1891ء تک سلسلۂ جنگ جاری رکھا اور بالآخر انہیں ولندیزیوں نے سازش کر کے قتل کرا دیا۔ اسی زمانے میں منگ کباؤ کے آخری حکمران سی سنگا منگا راجا مسلمان ہو کر تحریک مجاہدین میں شامل ہو گئے۔ وہ مدت تک برسرِ پیکار رہے' تاآنکہ ولندیزی سازش کا شکار ہو کر ایک حلیف حکمران کے ہاتھوں ختم ہو گئے (1907ء)۔ اس دور کے ایک اور ممتاز رہنما تیکو عمر آچے کے شاہی خاندان سے تھے۔ 1874ء میں آچے کے سلطان کو شکست ہوئی تو تیکو عمر نے بچی کھچی فوج کو منظم کر کے ولندیزیوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ 1899ء میں وہ ایک خونریز معرکے میں شہید ہو گئے۔ ان کی بیوہ اور تیکو محمد داؤد نے لڑائی جاری رکھی۔ 1905ء میں تیکو عمر کی بیوہ اور 1907ء میں تیکو داؤد قید ہو گئے اور آچے پر ولندیزیوں کے مکمل قبضے نے تحریک مجاہدین کو ختم کر دیا۔

## تحریک مؤاخات (گوتنگ روبونگ)

تحریک مجاہدین کے زمانے ہی میں جاوا کے دیہاتیوں میں باہمی تعاون وامداد کے جذبے نے

ایک مفید تحریک کی شکل اختیار کر لی' اس کے مطابق گاؤں کے سب لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے' مشکل کام کومل جل کر بلا معاوضہ انجام دیتے' ناگہانی مصائب کا مقابلہ کرتے اور اخلاق و کردار کو بلند رکھنے پر زور دیتے تھے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ استعماری حکومت کی پیدا کردہ مشکلات کو اجتماعی تعاون سے حل کیا جانے لگا۔

## ثامنی تحریک

1890ء میں شمال مشرقی جاوا کے ایک باشندے ثامن نے یہ تحریک شروع کی۔ اس کے مطالبات میں جبری کاشت کا خاتمہ' ٹیکسوں میں کمی' کاشت کاروں کو اپنی مرضی کے مطابق کاشت کرنے' پیداوار فروخت کرنے اور اپنی روایات کے مطابق اپنی معاشرتی اور اقتصادی تنظیم کرنے کی اجازت شامل تھی۔ یہ تحریک اتنی مقبول ہوئی کہ 1907ء میں حکومت نے اسے خطرناک قرار دیتے ہوئے اس کے متعدد رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ اس پر اشتعال پیدا ہو گیا اور جگہ جگہ فسادات ہونے لگے۔ 1917ء میں فوج کی مدد سے اسے کچل دیا گیا۔

## شرکت گا نگ اسلام (اسلامی تجارتی انجمن)

1908ء میں سوراکارتا کے حاجی ثمن حدیٰ نے انجمن امدادِ باہمی کے اصول پر مسلمان تاجروں کی یہ انجمن ان چینی تاجروں کا مقابلہ کرنے کے لئے بنائی جو ولندیزیوں کے زیر سرپرستی تجارت وصنعت پر قابض ہو کر انڈونیشیوں کو معاشی وسائل سے محروم کرتے جا رہے تھے۔ جب انجمن نے چینی تاجروں کا مقاطعہ کرنے کی مہم چلائی تو کشیدگی بڑھ گئی اور 1912ء میں جگہ جگہ مظاہرے اور فسادات ہونے لگے۔ ولندیزیوں نے چینیوں کی حمایت کرتے ہوئے انجمن کو خلاف قانون قرار دیا اور اس کے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ چند ماہ بعد اس کے چند پرجوش نوجوان ارکان نے ملک کی پہلی سیاسی جماعت ''شرکت اسلام'' کی بنیاد رکھی۔

## تعلیمی اور تہذیبی تحریکیں

چونکہ ولندیزیوں نے سیاسی جماعتوں کا قیام خلاف قانون ٹھہرا دیا تھا' لہٰذا قومی تحریک تعلیمی اور مذہبی تنظیموں کے سائے میں پنپنے لگی۔ 1907ء میں حاجی وحی الدین اور ڈاکٹر سوتو مونے بودی اوتومو (حیات عالیہ) کی بنیاد رکھی' جس کے بنیادی مقاصد تعلیمی اور معاشرتی تھے۔ عورتوں کو تعلیم اور معاشرتی حقوق دلانے کے سلسلے میں رادن کارتینی نے بڑا کام کیا۔ 1912ء میں پتری مردیکا (آزادئ نسواں) کے نام سے ایک جماعت قائم ہوئی جو پرمپونان انڈونیشیا (انجمن خواتین انڈونیشیا) اور جمعیۃ العائشیہ جیسی جماعتوں کی پیشرو ثابت ہوئیں' جن کے پرچم تلے عورتوں نے جنگ آزادی میں قابل فخر کام کیا۔

## شرکت اسلام

حاجی عمر سعید نے' جو 1912ء میں ''شرکت گانگ'' کے دوسرے رہنماؤں کے ساتھ قید کر لئے گئے تھے' رہا ہونے کے بعد 1913ء میں شرکتِ اسلام کی بنیاد رکھی۔ یہ جماعت بظاہر معاشرتی اصلاح کے لئے قائم ہوئی تھی' لیکن اس نے قومی بیداری کی تحریک میں بڑا اہم کام کیا۔ اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو صحیح اسلامی تعلیمات سے واقف کر کے غیر اسلامی طرزِ معاشرت کو مٹایا اور اسلامی اخوت اور بین الاسلامی اتحاد کو فروغ دیا جائے۔ کچھ عرصے بعد جب اسے عوام میں بے حد مقبولیت حاصل ہوگئی تو خالص سیاسی مطالبات کی طرف توجہ دی گئی۔ 1917ء میں مطلق العنان سامراجیت کے خلاف قرارداد منظور ہوئی۔ 1918ء میں لوگوں کو اپنے حقوق کی حفاظت اور سامراجی چیرہ دستیوں کو ختم کرنے کے لئے ولندیزیوں کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی گئی۔ 1919ء میں اس کے ارکان کی تعداد 25لاکھ سے متجاوز ہوگئی اور اس نے نمائندہ پارلیمنٹ کے قیام اور کامل آزادی کا مطالبہ پیش کرنے کے علاوہ عیسائی مبلغوں اور چینی تاجروں کے خلاف طاقت استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ 1920ء میں جماعت کے اشتراکیت پسند ارکان نے انتشار پھیلانے کی کوشش کی اور ناکام رہنے پر ''اشتراکی شرکتِ اسلام'' (بعد ازاں شرکت رعیت) کے نام سے اپنی الگ جماعت بنالی۔ 1926ء میں اشتراکیوں نے بغاوت کردی' جسے کچلنے کے لئے ولندیزیوں نے انتہائی سختی اور تشدد سے کام لیا اور تمام جماعتیں ختم کردیں۔ حالات معمول پر آئے تو شرکتِ اسلام کے مختلف انتہا پسند اور اعتدال پسند ارکان کے باہمی اختلافات نے اس کا شیرازہ منتشر کردیا۔

## جمعیۃ محمدیہ

شرکت اسلام پر جب سیاسی رنگ غالب آ گیا تو اس کی توجہ تعلیمی' دینی اور معاشرتی اصلاح کی طرف کم ہونے لگی اور ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کے لئے ایک ذیلی جماعت قائم کی جائے۔ حاجی احمد دحلان کی جمعیۃ محمدیہ نے اسی ضرورت کو پورا کیا۔ ملک کے طول وعرض میں ''مدارس محمدیہ'' کے نام سے تعلیمی ادارے قائم کئے گئے' جن میں دینی تعلیمات کے علاوہ عصری علوم وفنون کی تعلیم جدید ترین اصولوں کے مطابق دی جاتی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ وسیع پیمانے پر تعلیم کی اشاعت کے علاوہ ملک کو غیر اسلامی (خصوصاً ہندوانہ اثرات) سے پاک کیا جائے اور جدید افکار کی روشنی میں اسلامی نظریات کا مطالعہ کر کے موجودہ مسائل کا حل نکالا جائے۔ ''شرکتِ اسلام'' کے زوال کے بعد' بلکہ جنگِ آزادی کے دوران میں بھی اس کی سرگرمیاں جاری رہیں اور آزادی کے بعد یہ ملک کی سب سے بڑی اسلامی جماعت ''ماشومی'' سے وابستہ ہوگئی۔

دوسری دینی جماعتوں میں شافعی مسلمانوں کی ''نہضۃ العلماء'' (بانی: شیخ عبدالوہاب) اور انڈونیشی علماء کی ''جمعیۃ العلماء'' کے علاوہ مجلسِ خلافت' جمعیت اتحادِ اسلامی اور مؤتمر اسلامی شرق الہند

بھی قابل ذکر ہیں۔ان تنظیمات نے اسلامی اور بین الاسلامی اتحاد کو فروغ دینے میں بہت کام کیا۔

## انڈونیشی مجلس

ابتدائی سیاسی جماعتوں کی ناکامی کے بعد قومی تحریک زیادہ تر اُن طلبہ کے ہاتھ میں آ گئی جو اعلیٰ تعلیم کے لئے ہالینڈ گئے اور قومیت اور اشتراکیت دونوں سے متاثر ہوئے۔ ہالینڈ میں پیش آنے والی دشواریوں کو دور کرنے کے لئے انڈونیشی طلبہ نے 1908ء میں ''جمعیۃ شرق الہند'' قائم کی۔ 1924ء میں اس کا نام پرہمپنان انڈونیشیا (انڈونیشی مجلس) رکھا گیا اور اس کا ایک رسالہ انڈونیشیا مردیکا (آزاد انڈونیشیا) بھی جاری کیا۔ اس کا ایک بنیادی مقصد یہ تھا کہ باہمی سیاسی اختلافات کو دور کر کے آزادی کی کوشش کی جائے۔ محمد ختا اس کے صدر تھے۔ محمد ختا اور ان کے معاونین مثلاً سوکیمان اور شہریر وغیرہ کی مساعی سے یورپ کے کئی ممالک میں انڈونیشیا کے مطالبۂ آزادی کے حامی پیدا ہو گئے۔

## انڈونیشی قومی پارٹی

اُسی زمانے میں احمد سوکارنو نے ''پارتائی نیشنل انڈونیشیا'' کی بنیاد رکھی، جس نے بڑے جوش و خروش سے آزادی کے لئے کام کرنا شروع کیا۔ 1928ء میں اس نے ایک ملک (انڈونیشیا)، ایک قوم (انڈونیشی) اور ایک زبان (بھاسا انڈونیشیا) کا نعرہ بلند کیا۔ دسمبر 1929ء میں حکومت نے اسے غیر قانونی جماعت قرار دے کر احمد سوکارنو سمیت اس کے کئی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد پارٹی کے ارکان دو فریقوں میں بٹ گئے۔ اعتدال پسندوں نے سارتونو کے زیر قیادت انڈونیشی پارٹی اور انتہا پسندوں نے، جن میں ہوتان شہریر ممتاز تھے، احرار پارٹی بنائی، جس نے آگے چل کر پندی دکان نیشنل انڈونیشیا (انڈونیشی قومی تعلیمی کلب) کی شکل اختیار کر لی۔

## گاپی (وفاق احزابِ سیاسی)

ولندیزی حکومت نے قومی تحریکوں کا گلا گھونٹنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اعتدال پسند ''عظیم تر انڈونیشیا پارٹی'' اور اشتراکیت پسند ''انڈونیشی عوامی تحریک'' کی مفاہمت پسندی کے باوجود اس کی سخت گیری میں کمی نہ آئی۔ تمام ممتاز رہنما گرفتار ہو چکے تھے اور محبانِ وطن میں انتشار پھیل رہا تھا۔ انہیں دوبارہ منظم کرنے کے لئے حسن تہدن کی کوشش سے شرکت اسلام، عظیم تر انڈونیشیا پارٹی، انڈونیشی عوامی تحریک، اسلام پارٹی، عرب پارٹی اور کیتھولک پارٹی نے ایک وفاق قائم کیا جو ''وفاق احزابِ سیاسی انڈونیشیا'' (گاپی) کے نام سے مشہور ہے، اور حکومتی خود اختیاری کے لئے آئینی جدوجہد شروع کی ہے۔

## مجلس رعیت انڈونیشیا

ستمبر 1939ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو گاپی نے حکومت پر زور دیا کہ فسطائیت

کے مشترکہ خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انڈونیشیا کو حقِ خود اختیاری دیا جائے اور ''فوکس راڈ'' کی بجائے ایک منتخب پارلیمنٹ قائم کی جائے' جس کے سامنے حکومت جواب دہ ہو۔ یہ مطالبہ مسترد کر دیا گیا۔ اگست 1940ء میں جب ہالینڈ پر جرمنی کا قبضہ ہو گیا اور انگلستان میں ولندیزی جلاوطن حکومت قائم ہوئی' تب بھی انڈونیشیا کے بارے میں انتہائی مایوس کن طرزِ عمل اختیار کیا گیا۔ جنگ کے بعد سیاسی اصطلاحات پر غور کرنے کا وعدہ تو ہوا' مگر حقِ خود اختیاری دینے سے صاف انکار کر دیا گیا۔ ہالینڈ کے اس رویئے نے مفاہمت پسند انڈونیشیوں کو بھی دلبرداشتہ کر دیا۔ چنانچہ سیاسی جماعتوں کے اتحاد سے ''مجلس رعیت انڈونیشیا'' وجود میں آئی اور پوری قوم آزادی اور وطن کے نام پر اس کے پرچم تلے متحد و متفق ہو گئی۔

## جاپانی قبضہ

1942ء کے اوائل میں انڈونیشیا پر جاپان کا قبضہ ہو گیا۔ انڈونیشی عوام ولندیزی استبداد سے اس قدر نالاں تھے کہ انہوں نے جاپانیوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھا۔ جاپانیوں نے بھی تالیفِ قلوب سے کام لیتے ہوئے جنگ کے بعد آزادی دینے کا وعدہ کیا۔ تمام سرکاری عہدوں پر انڈونیشیوں کو مقرر کیا۔ حکومت کے ساتھ ساتھ تجارت اور صنعت پر بھی ولندیزیوں اور چینیوں کا تسلط ختم کر کے انڈونیشیوں کو اپنے قومی وسائل سے مستفید ہونے کا موقع دیا اور تمام اسیر رہنماؤں کو رہا کر دیا گیا۔ ان رہنماؤں میں سوکارنو جاپان کے حامی' لیکن حتّا اور شہریر اس کے مخالف تھے۔ حتّا کو یقین تھا کہ آخری فتح اتحادیوں کو ہو گی۔ آخر طے پایا کہ سوکارنو اور حتّا تو کھلم کھلا جاپانیوں سے تعاون کریں اور شہریر خفیہ تحریکیں چلائیں۔ 1943ء میں جاپانیوں نے ''پوتیرا'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے مرکزی بورڈ کے صدر سوکارنو اور نائب صدر حتّا تھے۔ پیٹا (PETA) کے نام سے ایک رضا کار فوج بھی تیار کی گئی جس کے تمام عہدے دار انڈونیشی تھے۔ اسے جاپانیوں نے فوجی تربیت دی' تاکہ اتحادیوں کے حملے کے وقت اس سے کام لیا جائے۔ ادھر شہریر' شریف الدین اور آدم ملک وغیرہ نے خفیہ تنظیموں کا ملک بھر میں جال پھیلا دیا اور ''پیٹا'' میں بھی بہت اثر و رسوخ پیدا کر لیا۔ مقصد یہ تھا کہ جاپان کی شکست کے وقت آزادی کے لئے عملی جدوجہد کی جائے اور اتحادیوں سے بہتر شرائط طے ہو سکیں۔ جاپانیوں نے ان تنظیموں کو ختم کرنے کی بہت کوشش کی' مگر ناکام رہے۔ 1944ء میں حکومت جاپان کی طرف سے ملک کو آزادی کے لئے تیار کرنے کی غرض سے مختلف تدبیریں اختیار کی گئیں۔ مارچ 1945ء میں ''انڈونیشی مجلس برائے اہتمام آزادی'' کی تشکیل ہوئی' تاکہ آزاد جمہوریہ کا دستور تیار کیا جا سکے۔ سیاسی سرگرمیوں کی عام اجازت دے دی گئی۔ مجلس نے سوکارنو کی تجویز پر آزاد انڈونیشیا کی فکری اساس کے لئے مندرجہ ذیل پانچ اصول (پنچ شیلا) طے کئے:

(1) اللہ پر ایمان (2) قومی آزادی (3) جمہور کی حکومت

(4) دین انسانیت یا بین الاقوامیت (5) معاشرتی انصاف
جولائی 1945ء میں دستور کی اہم دفعات پر اتفاق ہو گیا۔ جاپانیوں نے فیصلہ کیا کہ اگست کے آخر میں آزادی کا اعلان کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اختیارات منتقل کرنے کے لئے ملک کے ہر حصے کے نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی بھی قائم کر دی گئی' لیکن 14 راگست کو جاپان نے ہتھیار ڈال دیئے اور انڈونیشیا میں ان کی حیثیت اتحادیوں کے ایجنٹ کی ہو گئی۔

## اعلان آزادی

17 راگست 1945ء کو انڈونیشی رہنماؤں نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ ''مجلس برائے اہتمام آزادی'' نے 18 راگست کو آزاد حکومت کی صدارت اور نائب صدارت کے لئے علی الترتیب سوکارنو اور حتا کو منتخب کیا۔ مملکت کا دستور اساسی نافذ کیا گیا اور جمہوریہ انڈونیشیا وجود میں آ گئی۔ یوگ یکارتا صدر مقام قرار پایا۔ ملک آٹھ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا: مغربی جاوا' وسطی جاوا' مشرقی جاوا' ساٹرا' کالی منتان' سلاویسی' مالوکا' سوندا صغیر۔ ہر صوبے کے لئے وہیں کے باشندے کو گورنر مقرر کیا گیا اور نظم و نسق میں مدد دینے کے لئے مرکزی مجلس کے تحت صوبائی مجالس قائم ہوئیں۔

29 رستمبر 1945ء کو انگریزی فوج انڈونیشیا کے ساحل پر اتری۔ جنوب مشرقی ایشیا میں اتحادیوں کے انگریز سپہ سالار اعلیٰ ماؤنٹ بیٹن اور ولندیزی شرق الہند کے ڈپٹی گورنر جنرل فان موک کے باہمی مشورے سے اس فوج میں ولندیزی سپاہ بھی شامل تھی۔ فوجی ہیڈ کوارٹر پر امریکی' برطانوی اور ولندیزی جھنڈے لہرائے گئے۔ یہ اس امر کا اظہار تھا کہ جمہوریہ انڈونیشیا محض جاپانیوں کی تخلیق ہے' ورنہ یہاں جائز حکومت ولندیزیوں ہی کی ہے۔ ولندیزی گورنر جنرل فان موک بھی انگریز فوجوں کے ساتھ آ پہنچا تھا اور ولندیزی فوجیں بڑی تعداد میں داخل ہو رہی تھیں۔ جمہوریہ انڈونیشیا نے اس پر سخت احتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اس کی حکومت کو فوراً تسلیم کیا جائے' ولندیزیوں کو ملک سے نکال دیا جائے اور انگریز فوجیں اتحادیوں کے سابقہ اعلان کے مطابق اپنی سرگرمیاں جنگی قیدیوں کی رہائی اور جاپانیوں کو غیر مسلح کرنے تک محدود رکھیں۔ انگریزوں نے یہ مطالبات مسترد کر دیئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ولندیزی سپاہی ظلم و جبر پر اتر آئے۔ وہ جسے چاہتے' گولی مار دیتے اور جب چاہتے' گھروں میں گھس کر لوٹ مار کرنے لگتے۔ جب یہ صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہو گئی تو انڈونیشی فوجی دستے' جو بڑے بڑے شہروں میں قابض تھے' حرکت میں آ گئے اور انگریزی اور ولندیزی افواج سے تصادم شروع ہو گیا۔ جاوا' ساٹرا اور بالی میں شدید لڑائیاں ہوئیں۔ سب سے خونریز جنگ سورابایا میں ہوئی جہاں حریت پسندوں نے انگریزوں کی بری' بحری اور فضائی قوت سے ٹکرا کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس شکست سے نہ صرف انگریزوں کے وقار کو صدمہ پہنچا بلکہ بین الاقوامی رائے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔
چنانچہ دسمبر 1945ء میں روس نے انڈونیشیا کا مسئلہ سلامتی کونسل (اقوام متحدہ) میں پیش

کرنے کا اعلان کر دیا۔ انگریزوں نے مجبور ہو کر ولندیزیوں کو مصالحت کا مشورہ دیا۔ نومبر 1945ء میں ولندیزی سلطنت کے اندر رہتے ہوئے' انڈونیشیا کی نیم خودمختار ریاست قائم کرنے کی پیشکش کی گئی' جسے جمہوری کابینہ کے صدر شہریر نے مسترد کر دیا۔ اس کے بعد ایک طرف تو دونوں فریقوں میں تصادم اور مقبوضہ علاقے کے عوام پر ولندیزیوں کے جور و ستم جاری رہے اور دوسری طرف مشاورتی مجلسیں بھی برپا ہوتی رہیں۔

1946ء' اگست میں ولندیزی پارلیمنٹ کے مقرر کردہ کمیشن نے جمہوری حکومت کو تسلیم کر لیا۔ 14 راکتوبر کو عارضی صلح نامے پر دستخط ہوئے۔ 15 نومبر کو جمہوریہ انڈونیشیا اور ہالینڈ کے درمیان معاہدہ مرتب کرنے کے لئے مذاکرات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی انڈونیشیا سے انگریزی فوج کا انخلاء بھی ہونے لگا۔ انگریزوں نے جاتے وقت ملک کا پورا نظم و نسق ولندیزی حکومت کے حوالے کر دیا۔

1947ء' 25 مارچ کو ''راضی نامہ لنگا جاتی'' کی رو سے ولندیزی حکومت نے جاوا اور سماٹرا میں جمہوریہ انڈونیشیا کے اقتدار کو تسلیم کیا اور طے پایا کہ جمہوریہ انڈونیشیا' بورنیو اور باقی ماندہ جزائر پر مشتمل ایک جمہوری وفاقی مملکت ریاست ہائے متحدہ انڈونیشیا کے قیام میں ہالینڈ اور انڈونیشیا کی حکومتیں تعاون کریں گی' جو زیادہ سے زیادہ یکم جنوری 1949ء تک قائم ہو جائے گی' ولندیزی انڈونیشی یونین ریاست ہائے متحدہ انڈونیشیا اور ہالینڈ پر مشتمل ہو گی' جس کی سربراہ ہالینڈ کی ملکہ ہو گی' مشترکہ مفاد سے متعلق امور' بالخصوص خارجہ' دفاع اور بعض مالیاتی و معاشی امور یونین طے کرے گی' امن و امان قائم ہونے کے بعد ولندیزی فوجیں نکال لی جائیں گی اور اس معاہدے کے بارے میں اختلاف رائے ہونے پر ثالث کا فیصلہ قابل قبول ہو گا۔

اس راضی نامے کی مختلف شقوں کی تاویل پر بہت جلد اختلاف شروع ہو گیا۔ اہم ترین اختلاف جاوا اور سماٹرا میں ولندیزی فوجیں رکھنے کے بارے میں تھا۔ تاج شاہی کی سربراہی کی آڑ لے کر ولندیزی یکم جنوری 1949ء تک پورے انڈونیشیا پر اپنا مکمل اقتدار قائم رکھنے پر مصر تھے اور اس سلسلے میں جنگ پر بھی آمادہ تھے۔ جنگ ٹالنے کے لئے شہریر اور پھر اُن کے مستعفی ہونے پر شریف الدین نے ولندیزیوں کو کئی مراعات دینے کی پیشکش کی' مگر فان موک نے الٹی میٹم دے دیا کہ یا تو جمہوری حکومت ولندیزیوں کی اطاعت کرے یا جنگ۔

20 جولائی 1947ء کو ولندیزیوں نے ''راضی نامہ لنگا جاتی'' منسوخ کر کے بری' بحری اور فضائی حملے شروع کر دیئے اور دو ہفتے کے اندر مشرقی اور مغربی جاوا کے اکثر اہم مقامات پر قبضہ کرنے کے بعد شمالی علاقے کی طرف بڑھنے لگے۔ انڈونیشیا کی تمام جماعتیں اور افراد باہمی اختلافات کو بھول کر اور اپنی تمام اقتصادی' معاشرتی اور تعلیمی سرگرمیاں ترک کر کے میدانِ جنگ میں کود پڑے۔

سلامتی کونسل نے جنگ بند کرنے کی اپیل کی۔ ولندیزی فوجوں نے 5 راگست کو جنگ بندی کا حکم دیا۔
سلامتی کونسل نے ایک مصالحتی کمیٹی قائم کی' مگر اس کے ارکان اکتوبر کے آخر میں انڈونیشیا پہنچے۔

اقوام متحدہ کے تساہل اور کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ولندیزیوں نے نہ صرف فان موک لائن کے نام سے من مانی حد بندی کر لی' بلکہ اپنی پیش قدمی بھی جاری رکھی اور جمہوریہ کے علاقوں کی مکمل معاشی ناکہ بندی کر دی۔ مصالحتی کمیٹی کی کوشش سے 17 جنوری 1948ء کو ''راضی نامہ رینول'' طے پایا جس کے مطابق جمہوریہ کا قبضہ جاوا اور ساٹرا کے کچھ حصوں پر رہ گیا اور وفاقی حکومت میں اس کی حیثیت برائے نام رہ گئی۔ جمہوریہ کے حق میں اس معاہدے کی صرف ایک شق تھی اور وہ یہ کہ چھ ماہ بعد اور ایک سال کے اندر اندر عام رائے شماری سے معلوم کیا جائے گا کہ جاوا' ساٹرا اور مادورا کے علاقے جمہوریہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا نہیں۔ مجموعی طور پر یہ راضی نامہ حریت پسندوں کے لئے انتہائی مایوس کن تھا۔ چنانچہ شریف الدین نے استعفا دے دیا۔ ماشومی اور قومی پارٹی کی حمایت سے 29 جنوری 1948ء کو محمد حتا نے وزارت تشکیل دی' تا کہ راضی نامے کو عملی شکل دینے کے لئے ولندیزیوں سے مذاکرات شروع کئے جائیں' لیکن ولندیزی حکومت نے مذاکرات کا انتظار کئے بغیر اپنے مقبوضہ علاقوں میں یک طرفہ رائے شماری شروع کرا دی اور وفاق کے ماتحت پندرہ ریاستیں قائم کر دیں' جن میں بالواسطہ حکومت کا اصول اس طرح اختیار کیا گیا کہ بظاہر تو یہ خودمختار معلوم ہوں' لیکن حقیقت میں تمام اختیارات ولندیزیوں کے ہاتھ میں رہیں۔ 9 رمارچ کو فان موک نے اعلان کیا کہ جمہوریہ انڈونیشیا کی شرکت کا مزید انتظار ممکن نہیں اور معاہدے کی خلاف ورزی کے بارے میں جمہوریہ کے احتجاجات کی پروانہ کرتے ہوئے مئی 1948ء میں عارضی وفاقی حکومت قائم کر دی۔

اسی دوران میں جبکہ جمہوریہ انڈونیشیا کو ولندیزیوں کی نئی جارحیت کا مقابلہ درپیش تھا' شریف الدین نے اشتراکیت پسند جماعتوں کے اتحاد سے عوامی محاذ قائم کر لیا اور راضی نامہ رینول کی تنسیخ اور تمام غیر ملکی املاک کی ضبطی کا مطالبہ کرتے ہوئے حتا وزارت کے خلاف بغاوت کر دی اور کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ عوام کی اکثریت نے اشتراکیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا' کیونکہ وہ اس نازک دور میں خانہ جنگی کو تحریک آزادی کے لئے خطرناک محسوس کرتے تھے۔ کئی خون ریز جھڑپوں کے بعد اکتوبر 1948ء کو باغی لیڈر شکست کھا کر گرفتار ہو گئے اور انہیں سزائے موت دے کر کچھ عرصے کے لئے اشتراکی سرگرمیوں کا انسداد کر دیا گیا۔

سلامتی کونسل کی مصالحتی کمیٹی نے ولندیزی حکومت اور جمہوریہ انڈونیشیا کے درمیان مفاہمت کرانے کے لئے جون 1948ء میں ''دوبوئی۔ کرچلی'' منصوبہ پیش کیا' جسے جمہوریہ نے تو قبول کر لیا' لیکن ولندیزیوں نے مسترد کر دیا۔ ادھر معاشی ناکہ بندی سے جمہوریہ کی مشکلات میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ستمبر 1948ء میں مصالحتی کمیٹی کی ایک اور کوشش ناکام رہی۔ نومبر میں ہالینڈ کے وزیر خارجہ سٹیکر

نے انڈونیشیا آ کر مذاکرات کا سلسلہ چھیڑا' مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ 18 دسمبر کو ولندیزیوں نے جمہوریہ کے علاقوں پر اپنی پوری طاقت سے حملہ کر دیا اور ایک ہفتے کے اندر یوگ یکارتا کے علاوہ جاوا اور ساٹرا کے کئی اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔

سوکارنو' ہتا' شہر یار اور کئی دوسرے رہنما گرفتار کر لئے گئے' لیکن ان کا یہ پیغام پورے ملک میں پھیل چکا تھا کہ آخری فتح حاصل ہونے تک ہر قیمت پر جنگ جاری رہے۔ فوجی اور نیم فوجی تنظیموں' طلبہ اور خواتین کی جماعتوں' معاشرتی اور دینی مجلسوں' غرضیکہ ہر طبقے اور ہر نقطۂ نظر کے لوگوں نے غیر ملکی سامراج کے خلاف صحیح معنوں میں عوامی جنگ شروع کر دی۔ انہوں نے ولندیزیوں کا مکمل مقاطعہ کیا اور ان کی جنگی کارروائیوں میں ہر ممکن رکاوٹ پیدا کی۔ ماشومی پارٹی کے صدر سوکیمان کی حزب اللہ اور شہر یر کی سیل وانگی جیسی منظم رضا کار فوجوں کے علاوہ جگہ جگہ عوام کی دفاعی تنظیموں نے ولندیزی فوج کا مقابلہ کیا اور فان موک لائن کے اندر دور تک گھس کر متعدد مقامات پر قبضہ کر لیا۔ یوگ یکارتا پر ولندیزیوں کے قبضے کے بعد وزیر مالیات ظفر الدین نے' جو ماشومی پارٹی کے رہنماؤں میں سے تھے' بکی تنگی میں جمہوریہ کی عارضی حکومت قائم کر لی تھی۔ انہوں نے اقوام متحدہ اور دوسرے حریت پسند ممالک سے اپیل کی۔ عالمی رائے عامہ نے ولندیزی جارحیت کا بڑا گہرا اثر قبول کیا اور شدید ردّ عمل کا اظہار کیا' لیکن جب امریکی نمائندے کی درخواست پر سلامتی کونسل کا اجلاس طلب کیا گیا تو بڑے ممالک کی سیاست بازی نے کسی قرارداد کو مؤثر طور پر عمل میں نہ آنے دیا۔ ہالینڈ نے فان موک کے بجائے سابق وزیر اعظم بیل (Beal) کو گورنر جنرل مقرر کر کے اور بھی سخت گیرانہ پالیسی اختیار کی۔ جمہوریہ کو جلد از جلد ختم کرنے کے لئے ان کے حملوں اور مقاومت میں انڈونیشی عوام کی سرگرمیوں میں پہلے سے کہیں زیادہ شدت پیدا ہو گئی۔ جنگ کی وسعت میں اضافہ ہونے کے باعث حالات بے حد نازک ہو گئے' آخر 28 جولائی 1949ء کو سلامتی کونسل نے فریقین کو جنگ بندی' قیدیوں کی رہائی' 15 مارچ تک سابقہ راضی ناموں کی اساس پر عارضی وفاقی حکومت کے قیام' یکم اکتوبر تک دستور ساز اسمبلی کے انتخابات کی تکمیل' اور یکم جولائی 1950ء تک ریاست ہائے متحدہ انڈونیشیا کو تمام اختیارات منتقل کرنے کا حکم دیا اور اس سلسلے میں ایک بین الاقوامی کمیشن بھی مقرر کر دیا گیا۔ ہالینڈ نے ایک بار پھر ٹال مٹول سے کام لینا چاہا' لیکن مارچ 1949ء میں انہی کی بنائی ہوئی وفاقی مشاورتی مجلس نے سلامتی کونسل کی قرارداد کے مطابق مطالبہ کیا کہ جمہوری لیڈروں کو فوراً رہا اور یوگ یکارتا میں جمہوری حکومت بحال کر دی جائے۔

سلامتی کونسل کے اصرار پر بالآخر ہالینڈ مذاکرات کے لئے تیار ہو گیا اور 7 مئی 1949ء کو جنگ بندی' جمہوریہ کی بحالی اور ہیگ میں گول میز کانفرنس کے انعقاد کے بارے میں ایک بیان جاری کیا گیا۔ 18 جون کو سلطان یوگ یکارتا نے ریزیڈنسی میں جنگ بند کرنے کا اعلان کیا اور یکم جولائی کو

ولندیزی فوجوں نے یوگ یکارتا سلطان کے حوالے کر دیا۔

1949ء'6 جولائی کو سوکارنو اور دوسرے رہنما رہا ہو کر یوگ یکارتا پہنچ گئے۔

11 راگست کو جاوا اور 15 راگست کو سماٹرا میں جنگ بندی ہوگئی اور انڈونیشی وفد اقتدار اعلیٰ کی منتقلی کے لئے ہونے والی کانفرنس میں شرکت کے لئے ہیگ روانہ ہوگیا۔ اس میں وفاقی حکومت کی طرف سے سلطان حمید اور جمہوریہ انڈونیشیا کی طرف سے محمد حتا شریک تھے۔ 22 راگست سے 2 نومبر تک کانفرنس جاری رہی اور طے پایا کہ 30 دسمبر سے قبل ہالینڈ مجمع الجزائر میں اپنا اقتدار اعلیٰ غیر مشروط طور پر جمہوریہ ریاست ہائے متحدہ انڈونیشیا کو منتقل کر دے گا اور اس کا قبضہ صرف مغربی نیوگنی پر برقرار رہے گا۔ 27 دسمبر 1949ء کو اقتدار منتقل ہوا اور مسلمانوں کی ایک نئی آزاد ریاست وجود میں آگئی۔

## آزادی کے بعد:

تین سو سال کی غلامی سے نجات ملنے اور حصولِ آزادی کے بعد جو خاص خاص سیاسی اور اقتصادی حالات پیش آئے' یہاں انہیں اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:

1949ء'14 دسمبر۔ سوکارنو کو صدر منتخب کیا گیا۔ محمد حتا وزیر اعظم نامزد ہوئے۔ جکارتہ وفاقی دارالحکومت قرار پایا۔

1950ء'20 جولائی۔ قومی سیاسی پارٹی ''ماشومی'' کے ایما پر تمام ریاستیں ایک متحدہ مملکت کی تشکیل پر رضامند ہوگئیں۔ 14 راگست کو نیا وحدانی آئین منظور ہوا۔ 15 راگست کو جمہوریہ انڈونیشیا وجود میں آگئی۔ 29 ردسمبر کو اسے اقوام متحدہ میں رکنیت حاصل ہوگئی۔

1953ء' اپریل۔ پارلیمنٹ نے انتخابات کا قانون منظور کیا' جس کے تحت ستمبر 1955ء میں انتخابات منعقد ہوئے۔ پارلیمنٹ کی 273 نشستوں میں سے ماشومی نے 57' قومی پارٹی نے 57' نہضتہ العلماء نے 45 اور کمیونسٹ پارٹی نے 39 نشستیں حاصل کیں۔ چنانچہ ماشومی کو حزب اختلاف میں رکھتے ہوئے باقی جماعتوں کی مخلوط وزارت قائم ہوئی۔

1959ء۔ صدر سوکارنو نے دستور ساز اسمبلی' اور پھر 1960ء میں پارلیمنٹ توڑ دی۔ نیا دستور نافذ کیا گیا' جس سے صدر سوکارنو کو انقلاب کا عظیم قائد قرار دیا گیا۔

1963ء۔ سوکارنو نے پارلیمنٹ سے خود کو تاحیات صدر منتخب کرالیا۔ صدر سوکارنو کی اس حرکت پر اُن کے تمام ساتھی ان سے الگ ہوگئے۔ برطانیہ نے بورنیو اور ملایا کے اشتراک سے ملائشیا کی ایک نئی مملکت قائم کی' جس پر احتجاج کرتے ہوئے انڈونیشیا اقوام متحدہ سے مستعفی ہوگیا۔ امریکہ نے انڈونیشیا کی امداد بند کر دی۔ دوسری طرف روس نے امداد کے بہانے اشتراکی عناصر کو ابھارنا شروع کیا۔

1965ء۔ 30 دسمبر کو کمیونسٹوں نے حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور چھ جرنیلوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حکومت نے اس بغاوت کو سختی سے کچل دیا اور ہزاروں کمیونسٹوں کو ہلاک کر دیا۔

اس کے ساتھ ساتھ فوج نے صدر سوکارنو کے اختیارات بھی سلب کر لئے۔

1966ء12 مارچ کو جنرل سوہارتو نئے صدر مملکت مقرر ہوئے۔قومی محاذ توڑ دیا گیا۔کمیونسٹ پارٹی خلاف قانون قرار دے دی گئی۔ 11 راگست کو ملائشیا کے ساتھ تعلقات استوار کر لئے گئے۔

1978ء۔صدارتی انتخابات سے پہلے طلبہ کے احتجاجی مظاہرے ہوئے۔سینکڑوں طلبہ گرفتار ہوئے۔یونیورسٹیاں بند ہو گئیں۔جنرل سوہارتو تیسری مرتبہ صدر منتخب ہوئے۔مرکزی جاوا میں ایک آتش فشاں پھٹ پڑتا ہے۔مشرقی تیمور میں قحط پڑتا ہے۔دس ہزار افراد ہلاک ہو جاتے ہیں۔

1980ء۔اخبارات پر سخت سنسر شپ عائد کر دی جاتی ہے۔

1982ء مئی۔قانون ساز اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔جنرل سورہاتو کی پارٹی اکثریت سے جیت گئی۔حزب اختلاف نے دھاندلیوں کا الزام لگایا۔

1997ء۔انڈونیشیا کو شدید اقتصادی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔اکثر بینک دیوالیہ ہو گئے اور کرنسی یعنی روپے کی قدر بہت گھٹ گئی۔حکومت کے خلاف عوامی تحریک چلی۔طلبہ نے پارلیمنٹ کا گھیراؤ کر لیا اور جنرل سوہارتو کے استعفا کا مطالبہ کیا۔

1998ء21 مئی ۔جنرل سورہاتو نے 32 سالہ اقتدار کے بعد انضمام حکومت نائب صدر یوسف حبیبی کے حوالے کی۔

1998ء21 رمئی کو طلبہ اور عوام کے سخت احتجاجی مظاہروں سے مجبور ہو کر جنرل سہارتو نے اقتدار چھوڑ دیا اور یوں اس کی 32 سالہ فوجی حکمرانی کا خاتمہ ہوا۔نائب صدر بی جے حبیبی نے صدارت کا عہدہ سنبھالا۔

1999ء12 ستمبر کو اقوام متحدہ کی فوجیں صوبہ مشرقی تیمور میں داخل ہوئیں۔20 مئی 2002ء کو مشرقی تیمور کی علیحدگی پسندی کی تحریک امریکہ اور دوسری مغربی طاقتوں کے دباؤ اور مدد سے کامیاب ہوئی۔

1999ء20 راکتوبر۔نئے قومی الیکشن میں عبدالرحمٰن واحد انڈونیشیا کی بڑی سیاسی جماعت ''ڈیموکریکٹ پارٹی'' کی رہنما میگاوتی سوکارنو پتری کو شکست دے کر صدر منتخب ہوئے۔ان کے عہد میں شمالی سماٹرا کا صوبہ آچے علیحدگی پسندی کی تحریک کی وجہ سے انڈونیشیا کا بہت بڑا مسئلہ بن گیا۔آچے کی آبادی نصف کروڑ کے لگ بھگ ہے اور بیشتر آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔یہ صوبہ تیل کے ذخائر سے مالا مال ہے۔صدر واحد نے علیحدگی یا آزادی کا مطالبہ ماننے سے صاف انکار کر دیا' البتہ نفاذِ شریعت کے مطالبے پر ریفرنڈم کرانے پر آمادہ ہو گئے۔

2000ء کا پورا سال بدامنی کا سال تھا۔فسادات' ہنگامہ آرائی' جگہ جگہ بم دھماکے' پکڑ دھکڑ' جلاؤ گھیراؤ روز مرہ کا معمول بن گئے۔4 رجون کو علیحدگی پسندوں نے اریان جاوا (جسے مغربی پاپوا

بھی کہا جاتا ہے) کی مکمل آزادی کا اعلان کردیا۔ صدر واحد نے اس صوبے کی علیحدگی اور آزادی کو بھی تسلیم کرنے سے صاف انکار کردیا۔ اس صوبے میں تانبے کے کافی ذخائر اور سونے کی کانیں ہیں۔ مشرقی تیمور میں چونکہ عیسائیوں کی اکثریت تھی' اس لئے مغربی طاقتوں نے اس کی علیحدگی کی حمایت کی تھی' لیکن اریان جاوا کے علیحدگی پسندوں کو بین الاقوامی حمایت حاصل نہ ہوسکی۔

2000ء کا ایک اور اہم واقعہ یہ ہے کہ بدعنوانی اور 570 ملین ڈالر کے غبن کے الزام میں سابق صدر سوہارتو پر عدالتِ عالیہ پر مقدمہ چلایا گیا' لیکن وہ عدالت میں علالت کے بہانے پیش نہیں ہوئے۔

2001ء میں خود صدر عبدالرحمٰن واحد کے خلاف نااہلی اور بدعنوانی کے عام الزامات کے تحت عوام کی احتجاجی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی۔ ان کے خلاف ایک اور بڑا الزام یہ تھا کہ وہ صوبہ آچے' اریان جاوا' جزائر ملوکا اور بالخصوص بورنیو میں بدامنی اور خانہ جنگی کو روکنے میں ناکام رہے۔ چنانچہ جولائی 2001ء میں صدر واحد استعفاد دینے پر مجبور ہوگئے۔ ان کی جگہ نائب صدر میگاوتی سوکارنو پتری نے صدارت کی کرسی سنبھالی۔

2002ء' 12 اکتوبر کو جزیرہ بالی کے ایک نائٹ کلب میں زبردست دھماکہ ہوا جس سے 200 افراد وہیں ہلاک ہوگئے۔ ہلاک شدگان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو بیرونی ممالک سے سیاحت کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ حکومت نے پوری تحقیقات کے بعد جمعیۃ الاسلامیہ کے دو ارکان امروزی بن نور ہاشم اور امام سمودرا کو بم دھماکے کا مجرم قرار دیا۔ یہ دونوں حضرات القاعدہ کے بھی رکن تھے' جسے امریکہ نے دہشت گرد جماعت قرار دے رکھا ہے۔ ان دونوں کو سزائے موت سنائی گئی۔ جمعیۃ الاسلامیہ کے سربراہ ابوبکر بشیر کو چار سال قید کی سزا سنائی گئی' جس پر امریکہ اور برطانیہ نے انڈونیشیا کی حکومت سے احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ دہشت گردی کے الزام میں ملوث بڑے مجرم کو بھی پھانسی کی سزا دی جائے۔

2003ء' مئی میں صدر میگاوتی نے صوبہ آچے میں فوجی قانون نافذ کردیا اور وہاں کی تحریک آزادی کو سختی سے کچلنے کے لئے فوجی اقدامات کئے۔ اس سختی کے باعث آچے کے علیحدگی پسندوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور انڈونیشیا کی حکومت سے معاہدۂ امن کرلیا۔ علیحدگی پسندی کی تحریک جو 1976ء سے چل رہی تھی' بالآخر ختم ہوئی۔ اس تحریک کے دوران بارہ ہزار سے زیادہ لوگ ہلاک ہوئے۔

2003ء' اگست میں جکارتہ کے میریٹ ہوٹل میں ایک کار بم دھماکہ ہوا جس سے سولہ افراد ہلاک اور 150 سے زیادہ افراد زخمی ہوئے۔ غرضیکہ برادر مسلم ملک انڈونیشیا بھی دوسرے مسلم ممالک کی طرح' مختلف النوع مصائب و مشکلات میں محصور رہتا ہے۔ یہ آفات زیادہ تر مغربی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ ہیں۔ ملک 1949ء میں آزاد ہوا' لیکن آج تک آزادی کا ایک سانس بھی نصیب نہ ہوسکا۔

آئندہ شمارے میں ''دنیائے اسلام'' کے قسط وار سلسلے کے تحت ملاحظہ فرمائیے: ''ایتھوپیا''

# شادی کی منتظر لاکھوں لڑکیاں

## پاکستانی معاشرے کا ایک جلتا سلگتا مسئلہ

تحریر: میاں ظفیر احمد

میں اپنی گزارشات کا آغاز تحریک پاکستان کے ذکر سے کر رہا ہوں کہ میرے جیسے عاجز و ہیچمداں کے لئے اس جماعت اور تحریک سے ''وفاداری بشرط استواری'' کی حد تک وابستہ رہنا کم اعزاز کی بات نہیں۔ اس تحریک کا تذکرہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے فروری ۱۹۸۸ء کے ماہنامہ میثاق میں بایں الفاظ کیا ہے:

> ''۲۰ویں صدی کے آغاز میں اسلامیانِ ہند کے بحرِ محیط میں تین تحریکوں کی لہریں اٹھنی شروع ہوئی تھیں، جنہوں نے رفتہ رفتہ تین مستقل رووں کی شکل اختیار کر لی: ایک قومی وسیاسی تحریک جس کے جلی اور روشن عنوان کی حیثیت رفتہ رفتہ مسلم لیگ کو حاصل ہو گئی۔ دوسری خالص مذہبی اصلاحی تحریک جس کے میدان میں صدی کے وسط تک پہنچتے پہنچتے اصل ڈنکا تبلیغی جماعت کا بجنے لگا اور تیسری تجدیدی اور احیائی تحریک جس کا آغاز تو ہوا تھا ''الہلال'' اور ''حزب اللہ'' سے لیکن بعد میں اس کے تسلسل کو قائم رکھا ''ترجمان القرآن'' اور جماعت اسلامی نے''۔

یہ کتنی خوشی کی بات ہے کہ جن تین تحریکوں کا اوپر ذکر کیا گیا، ان میں پہلی تحریک سے اس راقم عاجز کی وابستگی اور تعلق خاطر شروع زندگی سے لے کے آج تک قائم ہے۔ اور بحمد اللہ میرا تعلق اس تحریک سے محض ایک سیاسی ورکر کی حد تک محدود نہیں رہا بلکہ میں اس تحریک میں رہتے ہوئے بھرپور سماجی کارکن کا کردار بھی بوقت ضرورت ادا کرتا رہا۔ میری برسہا برس کی تحریریں اس امر کی گواہ ہیں۔ میں نے ان موضوعات پر نوائے وقت اور جنگ جیسے بڑے اخبارات میں درجنوں مضامین لکھے جن میں سماجی خدمات انجام دیتے ہوئے جو کچھ دیکھا اور سیکھا تھا ان کے تذکرے کئے۔ ضمناً یہاں اس کا تذکرہ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ آج بھی میری بحث کا موضوع ایک نہایت ہی اہم معاشرتی اور سماجی مسئلہ ہے اور اس مسئلہ کو میں اپنے

معاشرے کا جلتا سلگتا مسئلہ سمجھتا ہوں۔

جنوری ۱۹۸۸ء کے دوران روزنامہ نوائے وقت میں میرا ایک مضمون ''اگر مجھے اختیار ہوتا؟'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس کے لکھنے کی تحریک اس موقر اخبار کے ایک ادارتی نوٹ کی وجہ سے ہوئی تھی۔ معاصر نوائے وقت کا وہ نوٹ جو ۱۱ر جنوری کے شمارے میں ''شادی کی منتظر لڑکیاں' ہولناک اعداد و شمار'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا' ملاحظہ فرمائیں:

> ''سوسائٹی برائے فلاح و بہبود اسیران و سوسائٹی برائے انسداد سماجی برائی کی ایک سروے رپورٹ کے مطابق اس وقت پورے ملک میں ۳۸ لاکھ ۲۵ ہزار لڑکیاں رشتوں کی منتظر گھروں میں بیٹھی ہیں' ان میں ۱۸ سے ۲۰ سال تک کی لڑکیوں کی تعداد ۴ لاکھ ۲۵ ہزار ہے اور ۲۱ سے ۲۵ سال تک کی ۱۱ لاکھ ۳ ہزار ۲۵ '۷ ۳۱ سے ۳۵ سال تک کی ۷ لاکھ ایک ہزار ایک سو سڑسٹھ لڑکیاں ہیں۔ مجموعی تعداد میں ڈیڑھ لاکھ خلع یافتہ' مطلقہ یا بیوہ ہیں۔ ایسی لڑکیوں میں ۲۰ فی صد ان پڑھ ہیں' ۳۱ فیصد مڈل پاس' پندرہ فیصد میٹرک پاس' ۲۰ فیصد بی اے سے زیادہ' ۴ فی صد پیشہ ورانہ تربیت یافتہ ہیں۔ اس ہولناک صورت حال کے جو متعدد اسباب اس رپورٹ میں بتائے گئے ہیں ان میں خصوصاً شہروں کے اندر والدین کی ناداری شامل ہے جس کی وجہ سے وہ شادی کے اخراجات اور جہیز کے انتظامات نہیں کر پاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہیز کی ہندوانہ رسم کی جڑیں ہمارے معاشرے میں اس بری طرح پیوست ہو گئی ہیں کہ بہت سی لڑکیاں اس ایک شے کے نہ ہونے کے سبب شادی کا انتظار کرتے کرتے بوڑھی ہو جاتی ہیں''۔

اس نوٹ کے آخری حصہ میں معاصر عزیز نے حکومت کی طرف سے جہیز کو محدود کرنے' حکومت سندھ کی طرف سے نادار لڑکیوں کے لئے ''جہیز کٹ'' اور ''زکوٰۃ فنڈ'' سے کچھ لڑکیوں کے لئے جہیز دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ ان ہی دنوں معاصر ڈان کراچی میں "The Society for the Prevention of Social Evils" کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی کہ:

> *The society has claimed that 1,27000 illegitimate children are born each year, thousands of whom are killed by their parents.*
>
> *In a press statement the society said it had conducted a national survey which had found that almost 70 percent mothers of illegitimate children were villager women. Their infants were often killed on birth while*

*those born. The city dwellers are more likely to be saved or survived.*

پاکستان کے دو ممتاز اردو اور انگریزی اخبارات میں جو کچھ شائع ہوا اور جو کچھ لکھا گیا وہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔ یہ ایسی باتیں نہیں کہ ان کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا جائے۔ یہ دونوں باتیں راقم کے لئے نہ حیرت میں ڈالنے والی ہیں نہ خلاف توقع' اس لئے کہ میں اس موضوع پر ان خبروں کی اشاعت سے پہلے بھی بارہا لکھتا رہا تھا اور میرے علم میں اس سلسلہ میں ایسی ایسی باتیں آتی رہیں کہ میں ان کے اظہار کرنے کا اپنے اندر حوصلہ نہیں پاتا۔ جو کچھ اس موضوع پر اب تک لکھتا رہا' اگر ان کا اختصار کے ساتھ بھی تذکرہ کرنا چاہوں گا تو یہ مضمون کافی طویل ہو جائے گا' اس لئے چند گزارشات پر ہی اکتفا کروں گا۔

انسانی معاشرہ کے لئے غلامی بدترین لعنت ہے اور آزادی بہترین اور عظیم ترین نعمت۔ آزادی کے حصول سے زیادہ آزادی کو اس کے جملہ تقاضوں کے ساتھ قائم رکھنا آزاد قوموں کے لئے مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے۔ آزادی صرف سیاسی استحکام و بقا کی متقاضی نہیں ہوتی' بلکہ اس سے کہیں زیادہ معاشی و معاشرتی استواری چاہتی ہے۔ سیاسی آزادی کے ساتھ اگر معاشرتی و معاشی آزادی میں استحکام نہیں ہوگا تو پھر دیر یا بدیر ایسی آزادی باقی نہیں رہتی۔ معاشرتی اور معاشی بے راہ روی قوموں کے کردار اور اطوار کو گھن کی طرح کھا جاتی ہے۔ آزادی اخلاقی اقدار کی پابندیوں کے ساتھ زندگی کو سلیقے سے گزارنے اور برتنے کا نام ہے۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ سیاسی آزادی کی اس فضا میں ہم نے اپنے معاشرتی اور اخلاقی اقدار کے فروغ میں کتنی پیش قدمی کی ہے۔ آگے بڑھے ہیں' یا پیچھے ہٹے ہیں یا وہیں کھڑے ہیں جہاں عہد غلامی میں کھڑے تھے؟ بعض اعتبارات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ ہم نے سیاسی اور معاشی میدان میں پیش قدمی کی ہے' لیکن سماجی' معاشرتی اور اخلاقی میدان میں ہم اپنے پرانے ڈگر سے سرمو نہیں ہٹے' بلکہ اسی جگہ کھڑے کھڑے اپنے حالات اور بھی بگاڑ لئے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں جب غلامی کے اثر میں ہمارے اطوار بگڑے تھے تو اس کی تو ایک وجہ تھی کہ بقول حکیم الامت علامہ اقبال ؒ

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر!

لیکن آزادی کے نصف صدی بعد بھی اگر وہ تمام خرابیاں جو مسلمانوں کے زوال پذیر عہد میں تھیں' نہ صرف یہ کہ باقی رہیں بلکہ بڑھ جائیں' تو یہ بڑے غور کرنے کی بات ہے۔ مولانا حالی نے انیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں مسلمانوں کو غیرت دلانے کے لئے اس زوال پذیر معاشرے کا نقشہ ''مسدس حالی'' کی صورت میں قوم کے سامنے پیش کیا تھا' آج اس کو پڑھتے

ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم کولہو کے بیل کی طرح اس معاملے میں اسی چکر میں گھوم رہے ہیں۔ مسدس کے چند بند یہاں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ مسلمانوں کے طبقۂ امراء اوران کے حاشیہ نشینوں اور حواریوں کا تذکرہ وہ اس طرح کرتے ہیں۔

امیروں کا عالم نہ پوچھو کہ کیا ہے ۔۔۔ خمیر اُن کا اور اُن کی طینت جدا ہے
سزاوار ہے ان کو جو ناسزا ہے ۔۔۔ روا ہے انہیں سب کو جو ناروا ہے
شریعت ہوئی ہے نکو نام اُن سے
بہت فخر کرتا ہے اسلام اُن سے

ہر اک بول پر اُن کے مجلس فدا ہے ۔۔۔ ہر اک بات پر واں درست اور بجا ہے
نہ گفتار میں اُن کی کوئی خطا ہے ۔۔۔ نہ کردار اُن کا کوئی ناسزا ہے
وہ جو کچھ کہ ہیں کہہ سکے کون اُن کو
بنایا ندیموں نے فرعون اُن کو !

---

کہاں بندگانِ ذلیل اور کہاں وہ ۔۔۔ بسر کرتے ہیں بے غم قوت و ناں وہ
پہنتے نہیں جز سمور و کتاں وہ ۔۔۔ مکاں رکھتے ہیں رشکِ خلد و جناں وہ
نہیں چلتے وہ بے سواری قدم بھر
نہیں رہتے بے نغمہ و ساز دم بھر

---

شریفوں کی اولاد بے تربیت ہے ۔۔۔ تباہ اُن کی حالت بُری اُن کی گت ہے
کسی کو کبوتر اڑانے کی لت ہے ۔۔۔ کسی کو بٹیریں لڑانے کی دھت ہے
چرس اور گانجے پہ شیدا ہے کوئی
مدک اور چنڈو کا رسیا ہے کوئی

کل اگر ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ اپنی بربادی اور تباہی اور زوال واضمحلال کے احوال کو گھر پھونک کر بحال کرنے کے لئے کوشاں تھے تو آج ہمارے معاشرے کا خوشحال طبقہ اپنی دولت کی نمود ونمائش میں وہی کچھ کررہا ہے جو کل ہوا تھا۔ ان کی نقل میں متوسط طبقہ کے لوگ اوران کی اولاد بھی وہی کچھ کررہی ہے جس کا نقشہ حالی نے کھینچا ہے۔ کل جو کام تنزلی کے ادوار میں ہوا تھا وہ آج ترقی کے زمانہ میں ہو رہا ہے۔ الغرض آج ہمارے

معاشرے میں خرابی کی بنیاد وہ دولت اور خوشحالی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے فضل وکرم سے پاکستان کی بدولت عطا کی ہے اور ہم اللہ کی اس بے پایاں عنایات کی شکر گزاری کرنے کی بجائے ''کفرانِ نعمت'' کرتے ہوئے اپنی دولت کی فراوانی سے معاشرے میں خیر پھیلانے کی جگہ فتنہ وفساد پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہاں پھر مولانا حالی یاد آ گئے۔

جہاں کے لئے جو کہ آبِ بقا ہے
وہ اس قوم کے حق میں سمّی دوا ہے

ترمذی کی ایک حدیث ہے' کعب بن عیاضؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپؐ ارشاد فرماتے تھے:

''ہر اُمت کے لئے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور ہماری اُمت کے لئے خاص آزمائش مال ہے''۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

''دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے گئے ہوں' ان بکریوں کو اِس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتے جتنا تباہ انسان کے دین کو عزت وجاہ کی حرص کرتی ہے''۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں اب ایک شادی میں چار شادیوں جتنے اخراجات فضول رسم ورواج ادا کرنے کی صورت میں کئے جاتے ہیں۔ پہلے چند بزرگ مل کر شادی کے لئے رشتے پخت وپز کر دیا کرتے تھے' اب اس کے لئے منگنی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ منگنی میں دونوں طرف سے آنے جانے والوں کی تعداد دو چار پر مشتمل نہیں ہوتی' بلکہ یہ تعداد سو ڈیڑھ سو سے تجاوز کر جاتی ہے اور ان کے لئے جانبین جوڑے' زیورات کے سیٹ' عمدہ کپڑے اور سوٹ بوٹ لے کر آتے ہیں' خوب کھانا پینا ہوتا ہے۔ اس کے بعد مہندی کی رسم آتی ہے' اس میں بھی شادی ہی جیسے اہتمام کئے جاتے ہیں۔ مہندی کی رسم میں جس بے شرمی اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اس کو دیکھتے ہوئے بھانڈ اور نٹنیں بھی شرما جاتی ہیں۔ یہ رسم بھی دونوں جانبین کے یہاں ادا کی جاتی ہے۔ تیسرے مرحلے میں شادی کی بارات آتی ہے' اور اس میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی تشریح کی یوں ضرورت نہیں کہ آپ میں سے بہت سوں نے بارات اور ایسی دعوت میں ضرور شرکت کی ہوگی۔ چوتھا مرحلہ ولیمہ کا ہوتا ہے جو عین سنت ہے اور جس کا اہتمام لڑکے کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

اس تفصیل سے آپ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی ہوگی کہ معاملہ four in one کا ہے'

یعنی ایک ہی تقریب کے لئے چار بار شادی جیسے اخراجات کئے جاتے ہیں اور دولت کا وہ مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ اللہ کی پناہ! جبکہ اسلام نے شادی کو نہایت آسان بنایا ہے۔ قرآن و سنت میں مسلمانوں کو جوانی کی عمر پر پہنچ جانے کے بعد شادی کا حکم دیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ ''نکاح کرنا میری سنت ہے''۔ پھر یہ بھی ارشاد ہوا کہ ''جو ایسا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ پھر مناکحت اور عقد کے لئے آسان طریق بتائے گئے۔ یہ بھی تعلیم فرمایا کہ مہر جتنا کم ہوگا ازدواجی زندگی اتنی ہی خوشگوار ہوگی۔ لیکن ہم نے اسلام کے سیدھے سادے بتائے ہوئے اصول کو بھاری بھرکم بنا کر اپنے پاؤں میں معاشرتی رسم و رواج کی بھاری اور بوجھل زنجیریں ڈال رکھی ہیں۔ گزشتہ دنوں برصغیر پاک و ہند میں دو شادیوں کا بڑا چرچا رہا' ایک شادی پاکستان میں ہوئی' جس کا احوال سب نے دیکھا اور سنا' دوسری شادی بھارت میں ہوئی تھی۔ یہ دو سابق رجواڑوں کے بیٹے اور بیٹی کے مابین ہوئی' لیکن اس شادی پر انڈین ایکسپریس کی رپورٹ کے مطابق مہاراج گوالیار کی ماں نے اپنی پوتی کی شادی پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے شادی میں کی جانے والی شاہ خرچی کو ''بے ہودگی'' کا نام دیا اور مسز وجیا راج سندھیا نے فرمایا کہ دولت کا غلط استعمال گناہ ہے۔ ذرا سوچئے کہ شادی میں دولت کا مظاہرہ ایک نیک عمل کو ''بے ہودگی'' میں بدل دیتا ہے۔ ہمارے لئے اس سے زیادہ شرم کی بات اور کیا ہوگی!

دولت کی ریل پیل نے ہماری پرانی معاشرتی قدروں کو تلپٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ پہلے مسلمانوں میں اپنے رشتہ داروں میں شادی بیاہ کا رواج عام تھا' لیکن اب ہمارے خون سفید ہو گئے ہیں اور اب شادی بیاہ میں قرابت اور رشتہ داری کا خیال نہیں رکھا جاتا' بلکہ اب ''وصل لیلیٰ'' کے لئے شرط اوّل دولت اور امارت نے لے لی ہے۔ پہلے ہمارے معاشرے کا یہ عام چلن تھا کہ خوشحال گھرانے والے اپنے بیٹوں کو متوسط طبقہ میں بیاہ کر بہو گھر لے آتے تھے۔ وہ ایسا اس لئے کرتے تھے کہ ان کو صرف شریف بہو چاہئے تھی۔ اور ایسے لوگ اپنی بیٹیوں کو کھاتے پیتے گھرانوں میں بیاہتے تھے کہ لڑکی سسرال جا کر خوش رہ سکے' لیکن اب خال خال ہی ایسا دیکھنے یا سننے میں آتا ہے۔ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہمارے ایک عزیز اور دوست کی لڑکی کا رشتہ اپنے ایک رشتہ دار کے یہاں سے آیا' انہوں نے ہمارے دوست کے سامنے جو شرائط رکھیں وہ سننے کے قابل ہیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ آپ میرے بیٹے کو تین کمروں کا فلیٹ دیں گے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ چونکہ آپ کی لڑکی کافی پڑھی لکھی ہے' لہٰذا اس

کی شادی سے پہلے اس کو کہیں ملازمت دلا دیں ؏ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے!
میرے دوست نے جواب میں یہ کہہ کر رشتہ قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ میری اور بھی بیٹیاں ہیں' میں ایسی پوزیشن میں نہیں ہوں کہ دوسری بیٹیوں کو بھی تین تین کمروں کے فلیٹ دے سکوں' اور دوسری شرط تو میرے لئے شرمناک ہے' بلاشبہ تعلیم ہم نے دلائی ہے لیکن کمانے کے لئے نہیں' شادی کے بعد اگر شوہر ایسا کرانا چاہے تو مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔

اوپر جو چند مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ صرف ایک جانب یعنی لڑکے والوں کا نقطۂ نظر یا سوچ کی عکاسی کرتی ہیں' لیکن لڑکی والوں کا معاملہ بھی کچھ ایسا سیدھا سادہ نہیں ہے۔ لڑکی کے والدین بھی خوب سے خوب تر کی تلاش میں لڑکیوں کو اپنے گھروں میں بٹھائے رکھتے ہیں تا آنکہ وہ شادی کی عمر سے بہت آگے جا چکی ہوتی ہیں اور پھر اُن کے لئے آسانی سے رشتہ آنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کچھ ہماری وہ مغرب زدہ خواتین ہیں جو مغرب کے اس پروپیگنڈے ''کم بچے خوشحال گھرانہ'' کے کھوکھلے نعروں کے اثر میں اپنی لڑکیوں کو بڑی عمروں تک گھروں میں بٹھائے رکھتی ہیں' کچھ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے شادی کرنے سے باز رکھتی ہیں۔ لیکن وہ یہ بات فراموش کرتی ہیں کہ آج ہمارا معاشرہ ایک طرف معاشی خوش حالی اور دوسری طرف انتہائی غربت کی وجہ سے جن حالات سے دوچار ہے' ایسے ماحول میں جبکہ ہر طرف سے ہمارے یہاں بیرونی کلچر کی یلغار ہے اور جدید ٹیکنالوجی کی فراہم کردہ آسانیاں اور ابلاغ نے جس طرح گھر گھر فواحش کو پھیلانے کا انتظام کیا ہوا ہے' اس میں لڑکیوں کو بڑی عمروں تک بن بیاہے گھروں میں بٹھائے رکھنے کے وہی نتائج نکلیں گے جن کا تذکرہ مذکورہ بالا سروے میں کیا گیا۔ ایسی فضا میں اہل پاکستان کو سوچنا ہوگا کہ جو معاشرہ اس وقت پاکستان میں پروان چڑھ رہا ہے اور نوجوان لڑکے اور لڑکیوں میں جو باہمی اختلاط اور میل جول کی روش عام ہو رہی ہے اس میں کیا کیا خطرات پوشیدہ ہیں۔

''کم بچے خوشحال گھرانہ'' کے نعروں سے ہی صحت مند معاشرہ اور صحت مند بچے اور خوش حال گھرانے پروان نہیں چڑھ سکتے' بلکہ ایک صحت مند معاشرہ اُن بچوں سے پروان چڑھے گا جن کی نسلیت اور اصلیت جائز ہوگی اور وہی جوان پاکستانی مسلمانوں کی آنکھ کا تارہ بن سکے گا جس کا شباب' بقول اقبال' بے داغ ہوگا۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہو کاری!

جس کا شباب بے داغ نہیں ہو گا' اس کا ضمیر مجرم ہو گا' وہ پاکستان جیسے اسلامی معاشرے میں کبھی اجتماعی اسلامی انقلاب برپا نہیں کر سکے گا۔ صالح جنسیت اور نسلیت اسلامی معاشرہ کے لئے ایک اہم بنیاد فراہم کرتی ہے۔ ہمارا معاشرہ اُن ملکوں یا قوموں کی اتباع کر کے زندہ نہیں رہ سکتا جہاں ناجائز بچہ پیدا کرنے والی ماؤں اور ناجائز بچوں کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی ہمارے یہاں ناجائز بچوں کی پیدائش کی شرح بہت کم ہے' لیکن اس کا شروع ہو جانا کم خطرے کی بات نہیں ہے۔

میں کوئی مولوی یا فقیہہ نہیں ہوں' اس لئے میں دین وفقہ کی بحث نہیں چھیڑنا چاہتا' یہ جن کا مقام ومنصب ہے ان کی ذمہ داری ہے' لیکن اتنا ضرور عرض کرنا چاہوں گا کہ جس طرح انسان کے لئے بھوک اور پیاس دُور کرنے کے لئے روٹی اور پانی ضروری ہے تو اس سے بھی کہیں زیادہ جنسی بھوک بجھانے کے لئے شادی بیاہ لازمی ہے۔ اگر پیٹ کی بھوک پیاس بجھانے کے لئے لوگوں کو اعلیٰ قسم کے کھانے' مشروبات بافراط حاصل ہیں تو پھر اِن کھانوں سے پیدا ہونے والی حرارت اور جنسی تقاضوں کی تسکین کا جائز اہتمام کیا جانا بھی ضروری ہے۔ اور اس راہ میں آسانیاں پیدا نہ کر کے ایسی صورت پیدا کی جائے کہ جائز اور اسلام کے بتائے ہوئے طریقوں پر جنس کی بھوک پیاس نہ بجھائی جاسکے تو پھر یہ بھوک پیاس ناجائز طریق پر ہی بجھائی جائے گی۔ لڑکے اور لڑکیوں کے کھلے بندوں اختلاط اور میل ملاپ کے باوجود یہ توقع کہ وہ شعلہ اور آگ نہ بھڑکے جو مثبت اور منفی اجزاء کے ملاپ کی صورت میں پیدا ہونا لازمی ہے' تو اس سے بڑی حماقت اور ناسمجھی کی بات اور کیا ہو گی؟ ہمیں اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیئے کہ ایسی آگ ہمارے یہاں اب تک نہیں بھڑکی ہے۔ یہ آگ بھڑک چکی ہے اور اس کے شعلے آہستہ آہستہ بڑھتے جارہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ شعلہ ہماری غفلت سے ہماری گھریلو زندگی کی پاکیزگی اور طہارت کو جلا کر بھسم کر دے اور ہماری آنکھیں تباہی کے بعد کھلیں۔ ہمارے دوست جناب امین الرحمٰن ایڈووکیٹ نے اپنی کتاب ''امین معاشرہ'' میں سن بلوغ کی شادی کے مسئلہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے! ملاحظہ فرمائیں:

''جنسی تعلیم کے سلسلہ میں سن بلوغ کی شادیوں کو بھی لازمی طور پر انجام دینا ہو گا' یہ ممکن نہیں کہ لڑکے اور لڑکیاں سن بلوغ پر پہنچنے کے بعد سکون بخشنے کے لئے سماجی زندگی میں کوئی سہارا تلاش نہ کریں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر جوانی کی ساعتوں کو بے لطف گزرتے ہوئے دیکھیں۔ اگر قوم اور حکومت نوجوان نسل کے سن بلوغ کے تقاضوں

سے غافل رہے گی تو نتیجہ انتہائی سنگین ہوگا' شرم و حیا کے فلسفیانہ نکتے اور حقیقت آفریں تقاضے کسی کام نہیں آئیں گے۔''

''پہلے یہ رواج تھا کہ سن بلوغ پر پہنچنے کے بعد مسلمان گھرانوں میں شادیاں کردی جاتی تھیں۔ پندرہ' سولہ' سترہ سال میں لڑکیوں کی شادیاں لازمی طور پر ہو جاتی تھیں۔ غریب سے غریب گھرانوں کی لڑکیوں کا انتظام بھی کردیا جاتا تھا۔ کسی گھر میں کسب علم ان کی شادیوں میں مانع نہیں ہوتا تھا۔ اور نہ شادیاں کسب علم میں مانع تھیں۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ معاشرہ جنسی افراتفری سے بڑی حد تک محفوظ ہوگیا تھا۔ اغوا کی وارداتیں کبھی سننے میں نہیں آتی تھیں' لڑکیوں کا باہوش وحواس اور برضا و رغبت گھر سے نکلنا کسی کے تصور میں نہ آتا تھا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ نوجوانوں کے فطری تقاضوں کو صحت مند راستے پر لگانے کے لئے نہ صرف والدین عمل پیرا ہوتے تھے بلکہ سارا محلہ' خاندان کے تمام افراد اسے ایک فرض سمجھ کر اس کی ادائیگی میں معاونت کیا کرتے تھے' جس کا کوئی روایتی سلسلہ پاکستان میں اس وقت نظر نہیں آتا''۔

اس لئے ان حالات میں ''شادی کی منتظر لڑکیوں کے ہولناک اعداد و شمار'' سامنے آنا حیرت انگیز بات نہیں' بلکہ ایسا نہ ہونا حیرت کی بات ہوتی۔

پاکستانی معاشرے سے اس قسم کی تمام معاشرتی خرابیوں کو دُور کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں' پہلی صورت طاقت کا استعمال' دوسری صورت ترغیب وتہدید۔ طاقت کے استعمال کی عام آدمی کو اجازت نہیں دی جاسکتی' اس لئے کہ اگر ایسا کیا گیا تو یہ خود معاشرہ کے لئے امن وامان کا مسئلہ پیدا کردے گا۔ لیکن عوام حکومت کو اس بات کے لئے مجبور کرسکتے ہیں کہ معاشرے سے اس قسم کی برائیوں کو دُور کرنے کے لئے وہ قوت کا استعمال کرے۔ لیکن قانون اور قوت کے استعمال سے زیادہ مؤثر صورت ترغیب وتہدید کی ہے۔ اگر پاکستان کا باشعور اور ذی ہوش طبقہ جو مسائل کی سنگینی کو سمجھتا ہے' خلوص کے ساتھ حرکت وعمل میں آجائے تو یقیناً ایسے تمام معاشرتی مسائل حل ہوسکتے ہیں' ضرورت صرف مسئلہ کی اہمیت کا احساس کرکے اس پر عمل کرنے کی ہے۔ میں اپنی بات اپنے ایک مضمون سے' جو غالباً ۱۹۷۸ء میں روزنامہ جنگ میں ''جب جاگے بہت ہی سویرا'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا' چند اقتباسات پیش کرکے ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں مَیں اپنے ذاتی اور عینی مشاہدہ کا ایک واقعہ یہاں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ دعوت چاہے دین کی ہو یا بے دینی کی' جب لوگوں تک گھر گھر

پنچ کردی جائے گی تو اس کا اثر ضرور ہو کر رہے گا۔ آج سے چند سال قبل تک (تقسیم سے پہلے) برصغیر پاک و ہند میں ہندو ماڑواڑی کی عورتوں میں گھونگھٹ نکالنے کا رواج عام تھا' ان کی عورتیں پاؤں میں پائل' جھانجھر' کڑے پہن کر نکلتی تھیں اور سارا جسم بڑی بڑی چادروں سے ڈھکا ہوتا اور چہرے پر گھونگھٹ۔ پائل کی آواز بھی سنی جاتی' جسم و جان کا وزن بھی دیکھا جا سکتا تھا لیکن چہرہ ''چاند ستارہ'' اور ''روئے زیبا'' پر کسی کی نظر نہیں پڑتی تھی' لیکن تقسیم کے بعد' جب ماڑواڑی قوم اور ان کی پنچایت نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کی عورتیں اب گھونگھٹ اتار دیں' تو آپ کو معلوم ہے کہ اس قوم کے بزرگوں اور ان کے اکابرین نے کیا کیا! میں نے برلا' ڈالمیا' گوئنکا' کھیتان' جالان جیسے کروڑ پتیوں کے دروازے پر یہ دیکھا کہ شادی کے موقع پر یہ لوگ دلہنوں کی رخصتی کے وقت ہاتھ جوڑ کر دو رویہ کھڑے ہو جاتے اور دلہنوں کو کہتے: بیٹا! ہم لوگ تمہارے مربّی اور بزرگ ہیں' تم سے ہاتھ جوڑ کر یہ کہتے ہیں کہ سماج اور جماعت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب ہماری بہو بیٹیاں گھونگھٹ نہ ڈالا کریں' پردہ اٹھا دیں' زمانہ کا چلن اور بہوار اب یہی چاہتا ہے۔ تو آپ کو معلوم ہے کہ ان بڑے بوڑھے ماڑواڑی جماعت کے لوگوں کی اس ہتھ جوڑی اور پرارتھنا اور اپیل کا ان پر کیا اثر ہوا! دیکھتے دیکھتے چند ہی برسوں میں پوری ماڑواڑی قوم کی عورتوں نے پردہ اٹھا دیا اور گھونگھٹ نکالنا ترک کر دیا۔ لیکن ہماری قوم کے مصلحین' سماجی کارکنوں اور سیاسی (ورکروں) کا دائرۂ عمل صرف جلسے جلوس اور لمبی لمبی تقریروں تک محدود ہے اور چاہتے ہیں کہ ہلدی لگے نہ پھٹکری رنگ آئے چوکھا۔

آج بھی ہمارے مصلحین اور سماجی کارکن اللہ پر بھروسہ کر کے اور اپنے گھروں کے آرام تج کر کے اگر یہ عزم کر کے میدان میں نکل آئیں اور شادی بیاہ کے موقعوں پر ''میرج ہال'' اور شادی والے گھروں میں جا کر اللہ و رسول کا واسطہ دے کر اپنے (بیٹوں) بیٹیوں اور بہوؤں کو سمجھائیں کہ تم مسلمان ہو' اللہ نے تمہیں اسراف سے منع کیا ہے (بلکہ اسراف کرنے والے کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے)' بیٹیو! اللہ نے تمہارے لئے پردہ لازم کیا ہے۔ شادی میں کہیں زیادہ جہیز تو نہیں دے دیا' ایک نیک عمل کو محض نمود و نمائش کی خاطر کہیں اپنی نادانی میں خراب تو نہیں کر دیا؟ یقین ہے کہ ہمارا معاشرہ ابھی اتنا نہیں بگڑا کہ ہماری بہنیں اور بیٹیاں (اور بیٹے) اپنے سامنے کھڑے ہوئے اپنے بزرگوں کے جڑے ہوئے (ملتجیانہ) ہاتھوں کی لاج نہیں رکھیں گے۔ ضرورت عملی طور پر کچھ کرنے کی ہے' محض خوش آئند آرزوؤں سے

قوموں کی تقدیریں نہیں بدلا کرتیں۔ تو کیا ہمارے معاشرے کے بڑے بوڑھے اور باشعور نوجوان (آگے بڑھ کر) عملاً کچھ کر کے دکھانا چاہتے ہیں؟''

سب سے آخر میں یہ بندۂ عاجز و آثم آپ کے سامنے ان تجاویز کو یہاں دہرانا چاہتا ہے جو اب سے پہلے دوبار پاکستان کے مؤقر قومی اور آزاد اخبارات کے ذریعے پاکستان کے مسلمانوں اور حکومت کو متوجہ کرنے کی خاطر پیش کر چکا ہے۔ تجاویز ملاحظہ فرمائیں:

۱) پاکستان میں ایسے قوانین نافذ کئے جائیں جن کے ذریعے ایک مقررہ عمر تک پہنچنے کے بعد ہر مرد اور عورت کے لئے شادی کرنا لازم قرار دیا جائے' عمر کا تعین مشورہ سے کر لیا جائے' شادی کی عمر تک پہنچنے کے بعد جو بھی غیر شادی شدہ ہو' قانون اس کے خلاف کارروائی کر کے قرار واقعی سزا دلوائے۔

۲) ایسے تمام مرد اور عورتیں جو مقررہ عمر کی حد کو پہنچ چکے ہیں اور سرکاری یا نیم سرکاری' یا پرائیویٹ اداروں میں ملازم ہیں' ان کو نکاح نامہ پیش کرنے کا پابند کیا جائے' اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو ان کی آئندہ ترقی روک دی جائے اور ان کو ایک مدت دے کر شادی کرنے کے لئے کہا جائے' اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو ان کو وقت سے پہلے ملازمت سے ریٹائرمنٹ دے کر سبکدوش کر دیا جائے۔

۳) اسلام نے مردوں کو ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت دی ہے' اس کی اجازت میں دنیاوی مصلحتوں کو حائل نہ ہونے دیا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اس عطا کردہ اجازت میں پوشیدہ مصلحت سے اللہ ہم انسانوں سے زیادہ واقف اور آگاہ ہے۔

۴) مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی دوسری شادی کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے اور جو مطلقہ عورتیں معاشرے کے خوف سے ایسا نہیں کرتیں' ان کو شادی کی ترغیب دلائی جائے اور ان کی راہ کی مشکلات کو دور کیا جائے۔

۵) اعلیٰ تعلیم یافتہ اور زیادہ عمر کی لڑکیاں آئیڈیل کی تلاش میں عمر عزیز کا قیمتی حصہ برباد نہ کریں' بلکہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے سے کم تعلیم یافتہ لڑکوں سے شادی کرنے کا اپنے اندر حوصلہ پیدا کریں۔ اسی طرح لڑکوں کو بھی اپنے سے زیادہ عمر کی لڑکیوں سے رشتہ مناکحت جوڑنے میں کوئی شرم نہیں محسوس کرنی چاہئے۔ دنیا میں زیادہ تر کامیاب مردوں نے اپنے سے زیادہ عمر کی لڑکیوں' مطلقہ اور بیوہ عورتوں سے شادیاں کیں اور اب بھی اپنے ارد گرد نظر دوڑانے سے ایسے بہت سے لوگ آپ کو نظر آئیں گے۔

۶) دنیا میں ایک آدمی کے لئے سب سے بڑی دولت علم ہے۔ جو نوجوان زیور تعلیم سے آراستہ ہیں ان کو رشتہ کرتے وقت شریک حیات کے انتخاب میں جہیز اور دولت کو ٹھوکر مار دینا چاہئے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی طرف سے جہیز اور لڑکی والوں سے زر' زمین' کار' بنگلہ کا مطالبہ نہ صرف علم بلکہ خود نوجوانوں کی تذلیل وتوہین ہے۔

۷) تمام دولت مند افراد جو شادی شدہ ہوں اور جن کی جسمانی صحت ٹھیک ٹھاک اور ان کے انکم ٹیکس کے گوشوارے یہ ظاہر کرتے ہوں کہ ان کی ایک ایک اولاد لاکھوں کی مالک ہوگی' تو ایسے تمام مَردوں کو دوسری شادی کرنے کے لئے قانونی طور پر پابند کیا جائے اور دوسری یا تیسری شادی کرنے پر انہیں آمدن میں چھوٹ دی جائے اور نکاح نامہ میں دوسری اور تیسری بیوی کے لئے قانونی تحفظات فراہم کئے جائیں' تاکہ پہلی بیوی کے جبر اور دباؤ میں شوہر اُن کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ کر سکے۔

۸) خوشحال اور کھاتے پیتے افراد جب اپنی بیٹیوں کی شادی کریں تو جہاں ان پر ہزاروں لاکھوں خرچ کرتے ہیں' شادی کرتے وقت یہ خیال رکھیں کہ ان اخراجات میں تھوڑی کمی کر کے غریب' بیوہ اور نادار گھروں کی لڑکیوں کو اس پیسہ سے عزت وآبرو کے ساتھ بیاہ دیں۔ اس طرح دین اور دنیا دونوں جگہ اللہ کی خوشنودی حاصل کریں۔

۹) ذات برادری کی پابندی ختم کی جائے' پاکستان کے تمام صوبوں کے رہنے والوں میں باہمی شادی بیاہ کو فروغ دینے کے لئے قومی سطح پر تحریک چلائی جائے۔ ان شاء اللہ اس طرح پاکستانی قومیت پروان چڑھے گی جس کو اب تک حاصل کرنے میں ہم ناکام رہے ہیں' یہ پاکستان میں وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ہمارے معاشرے کا یہ بڑا المیہ ہے کہ ہمارے یہاں سیاسی تحریکوں کا بڑا زور رہے' سماجی اصلاحات کی کوئی منظم تحریک ہمارے یہاں کبھی نہیں اٹھی' ہمارے علماء کرام کا ایک بڑا طبقہ بھی زور شور سے سیاسی تحریکوں ہی سے وابستہ ہے' دین دار طبقہ کا ایک گروہ وہ ہے جو صرف امر بالمعروف کی تبلیغ میں مصروف ہے اور نہی عن المنکر کی ان کے یہاں اہمیت نہیں ہے۔ مسئلہ زیر بحث کی طرح بیسیوں اور سماجی مسائل ہیں جو ہر طرف سر اٹھائے ہوئے ہیں۔ اگر سیاسی' سماجی' دینی پلیٹ فارم سے ان کے حل کرنے کی منظم تحریک اور کوشش نہیں کی گئی تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا ملک از روئے الفاظ قرآنی ﴿فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ﴾ کا گہوارہ بن جائے گا۔ اعاذنا اللہ من ذلك!